ڈاکٹر نجم الاسلام :

حکیم شریف خاں دہلوی کا ترجمۂ قرآن

(شاہ عالم ثانی کے دور کی اردو نثر)

حکیم شریف خاں ابن حکیم محمد اکمل خاں مشہور و معروف طبیب تھے۔ شریف خاں مُلّا علی داود برادر مُلّا علی قاری کی اولاد سے تھے۔ اس لیے سلسلۂ نسب خواجہ عبید اللہ احرار سے ملتا تھا۔ حکیم صاحب کے اجداد میں ایک بزرگ بابر بادشاہ کے ہمراہ ہندوستان آئے۔ اور حیدر آباد میں قیام کیا۔ حکیم شریف خاں کے دادا حکیم محمدؐ واصل خاں (۱) آگرہ آکر سکونت پذیر ہوئے۔ پھر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے دربار میں شاہی طبیب مقرر ہوئے۔ ان کے بیٹے محمدؐ اکمل خاں محمدؐ شاہ بادشاہ دہلی کے طبیب خاص ہوئے۔ اور حاذق الملک خطاب پایا۔ ان کے بیٹے شریف خاں تھے۔ شریف خاں ۱۱۳۷ھ م ۱۷۲۴ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے تحصیل علوم کی ، بڑے مشہور و مستند عالم تھے (۲) فن طب میں " ثانی بوعلی سینا " کہے جاتے تھے۔ علوم و فضل اور شہرت و ناموری میں حکیم شریف خاں اپنے اجداد سے سبقت لے گئے۔ شاہ عالم ثانی بادشاہ کے عہد میں شاہی طبیب تھے۔ اشرف الحکماء خطاب تھا۔ (داستانِ تاریخِ اردو) سعادت یار خان رنگین نے حکیم شریف خاں کا ایک لطیفہ اخبار رنگین میں درج کیا ہے۔ جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

> " خبر گزری کہ شاہجہاں آباد میں امیر الامراء نواب ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں بہادر بیمار ہو کر سیروں لہو تھوکنے لگے۔ یعنی سل کی بیماری نہایت کو پہنچی۔ ایک دن حکماء سب جمع تھے۔ اس میں حکیم شریف خاں نے آکر نبض کو ملاحظہ کر کے مزاج احوال پوچھا۔ نواب صاحب کو از بسکہ عالم یاس کا تھا۔ تو اشک آنکھوں سے اسی وقت جاری ہوئے۔ حکیم صاحب جو ان کو رومال سے پونچھنے لگے تو نواب صاحب نے یہ شعر اپنے حسب حال پڑھا :
>
> سرشک از رخم پاک کردن چہ حاصل
> علاجے بکن کز دلم خون نیاید
>
> حکیم صاحب نے عرض کی " خاطر جمع فرمایئے ان شاء اللہ تعالیٰ جلد فرصت ہوجاتی ہے بلکہ بالکل صحت ہوجاتی ہے "۔ نواب صاحب نے کہا کنایہ تمہارا مفہوم

ہوا. اور خیر مطلب معلوم ہوا " (اخبار رنگین مطبوعہ کراچی ص ۶۶ - ۶۷)

حکیم شریف خاں کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ مولوی عبدالحق نے (جیسا کہ انھیں حکیم محمدؐ احمد خاں کی زبانی معلوم ہوا) حکیم شریف خاں کا سنہ وفات ۱۲۱۶ھ م ۱۸۰۱ء لکھا ہے۔ اور یہی سنہ ہندسوں میں حکیم شریف خاں کے کتبۂ مزار پر موجود ہے۔ کتبۂ مزار یہ ہے۔

" ہو الحکیم مزار مرقد اشرف الحکماء الحکیم محمدؐ شریف خاں الدہلوی دخل الجنہ بلا حساب ۱۲۱۶ھ " ۔

بعض تذکرہ نویسوں نے " دخل الجنـۃ بلا حساب " کو مادّۂ تاریخ قرار دے کر سال وفات ۱۲۲۲ھ (م ۱۸۰۷ء) تحریر کیا ہے۔ حامد حسن قادری نے داستان تاریخ اردو میں یہی سنہ دیا ہے۔ مگر تذکرۂ علمائے ہند مؤلفہ رحمٰن علی میں سنہ وفات ۱۲۳۱ھ لکھا ہے اور کسی شاعر کا قطعہ تاریخ وفات بھی درج کیا ہے جو یہ ہے :

دریغا ازیں دار فانی گزشت   حکیم و طبیب و لطیف و ظریف
خرد گفت سال وفاتش بمن   " صد افسوس مرزا محمدؐ شریف "

۱۲۳۱ھ

وقائع عبدالقادر خانی سے بھی یہی سنہ (۱۲۳۱ھ) درست ثابت ہوتا ہے مولوی عبدالقادر رامپوری پہلی بار ۱۲۳۰ھ م ۱۸۱۴ء میں دہلی پہنچے ہیں۔ انھوں نے اپنے وقائع (اردو ترجمہ موسوم بہ علم و عمل) میں حکیم شریف خاں کا ذکر اُن اہلِ کمال میں کیا ہے، جو ان کے زمانے میں موجود تھے۔
(دیکھیے علم و عمل جلد اول ص ۲۹۶-۲۹۷)

تصانیف :

حکیم شریف خاں صاحب تصانیفِ کثیرہ تھے۔ ۱۱۹۳ھ (م ۱۷۷۹ء) میں انھوں نے مشکوٰۃ شریف کا فارسی ترجمہ " کاشف المشکوٰۃ " کے نام سے کیا ہے۔ حاشیۂ نفیسی، حاشیۂ شرح اسباب، آثارِ نبوت، علاجِ امراض، عجالۂ نافعہ، دستور الفصد، شرح بحث حمّیات، قانون اور تالیف شریفی وغیرہ متعدّد عربی فارسی کی تصانیف ان سے یادگار ہیں۔ " تالیف شریفی بخواص ادویۂ ہندی " میں انھوں نے دواؤں کی خاصیت سے بحث کی ہے۔ اور بعض ہندی، یونانی، فارسی اور عربی دواؤں کے ناموں کی مطابقت کی ہے۔

منشور اردو تصنیف:

حکیم شریف خاں نے شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی کی فرمایش پر قرآن پاک کا ترجمہ اردو نثر میں کیا تھا۔ اس قلمی نسخے کو مولوی عبدالحق اور مفتی انتظام اللہ شہابی نے حکیم محمدؐ احمد خاں دہلوی (متوفی ۱۹۳۰ء) کے پاس دیکھا تھا۔ جیسا کہ مولوی عبدالحق نے اپنے مضمون " پُرانی اردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں " (رسالہ اردو ۱۹۳۰ء) اور مفتی صاحب نے " یوپی میں اردو " (رسالۂ کنول آگرہ ۱۹۳۶ء) میں لکھا ہے اور ۱۹۶۶ء میں بھی دہلی میں ان کے خاندان میں حکیم محمود احمد خاں خلف حکیم محمدؐ احمد خاں کے پاس موجود تھا۔ معلوم ہوا کہ موصوف نہ ترجمہ خود شایع کرتے ہیں اور نہ شایع کرنے کی اجازت کسی اور کو دیتے ہیں۔ راقم نے اس سلسلے میں اس خاندان کے ایک فرد حکیم محمدؐ نبی خاں جمال سویدا (لاہور) کو ۱۹۶۶ء میں خط لکھا تھا۔ موصوف نے جواباً یہی بات لکھ کر اظہار افسوس کیا۔ (۳)

راقم الحروف نے دہلی حکیم صاحب کو بھی ایک خط اس سلسلے میں لکھ کر نسخے کے بارے میں دریافت کیا تھا اور ایک طویل اقتباس جلد بھیجنے کی فرمایش کی تھی لیکن یا تو محرومیِ قسمت سے خط ہی نہیں پہنچا، یا حکیم صاحب نے جواب کی زحمت اٹھانے کو مناسب نہ جانا۔ مفتی انتظام اللہ نے ۱۹۳۶ء میں اس ترجمے کے جلد چھپنے کی خوشخبری " یوپی میں اردو " میں دی تھی۔ افسوس کہ ورثاء کی بے توجہی سے یہ نادر ترجمہ آج تک طباعت سے محروم ہے۔ اس ترجمے کا سال اتمام حامد حسن قادری نے بغیر کسی حوالے کے لکھ دیا ہے۔ وہ اس ترجمے کو شاہ عبدالقادر کے ترجمے سے بیس سال پہلے کا بتاتے ہیں۔ (داستان تاریخ اردو طبع دوم) مگر اپنا مأخذ نہیں بتاتے۔ دراصل حامد حسن قادری نے یہ ترجمہ خود نہیں دیکھا تھا۔ مفتی انتظام اللہ شہابی کی " یوپی میں اردو " سے انھوں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ مفتی صاحب نے بھی، حوالہ دیے بغیر، اس ترجمے کو شاہ عبدالقادر کے ترجمے سے تقریباً ۲۰ برس پہلے کا بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

" بڑا کارنامہ آپ کا قرآن مجید کا اردو ترجمہ ہے۔ گو فارسی میں بھی ترجمہ کیا ہے۔ (۴) مگر اردو ترجمہ بہت صاف کیا ہے۔ اور شاہ عبدالقادر سے تقریباً بیس برس پہلے کا ہے۔ یہ ترجمہ مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا، مسیح الملک علامہ حکیم محمدؐ احمد خاں کے پاس موجود ہے، جس کے مطالعے سے مُشرّف ہوا ہوں " ۔ (یوپی میں اردو " رسالۂ کنول آگرہ) تعجب ہے کہ مفتی صاحب اس قلمی نسخے کو خود مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا بتاتے ہیں (۵) جب کہ مولوی عبدالحق نے نسخے کے آخر کی عبارت میں کاتب کا نام " محمدؐ بدر الدین مفوض اللہ بن فیض اللہ " ظاہر کیا ہے۔ اور

وہ بھی اس نسخے کو بچشمِ خود دیکھنے کے مدعی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

" یہ ترجمہ (قلمی) ہے اس وقت حکیم محمّد احمد خاں صاحب کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی وساطت سے ہمیں اس کی زیارت نصیب ہوئی۔ فاضل مترجم نے ترجمے کے آخر میں جو عبارت تحریر کی ہے اس (سے) ترجمے کی کیفیت معلوم ہوگی "۔

(قدیم اردو ص ۱۳۶)

پھر وہ عبارتِ مذکورہ نقل کرتے ہیں جو طویل شاہانہ القاب کے حذف کرنے کے بعد یہ ہے:

" للہ الحمد و المنّـتہ کہ این تفسیر سلاست تحریر حسب الامر ... محمّد شاہ عالم غازی خلّد اللہ ملکہ و سلطانہ و ... ذرۂ خاکسار بے مقدار حکیم محمّد شریف خاں بن حاذق الملک حکیم محمّد اکمل خاں مرحوم شروع در تسوید و تحریر آن نمودہ بود بمساعدت توفیق الٰہی و معاصدت اقبال شہنشاہی در نیکو ترین ازمنہ و بہترین اززیب و زینت اختتام پذیر رفت ۔ الحمد للہ الذی بتوفیقہ تمّت ہذا التفسیر یوم الجمعہ فی التاسع من ذی القعد بید الحقیر محمّد بدر الدین مفوض اللہ بن فیض اللہ ...   (قدیم اردو ، ص ۱۳۶)

عبارتِ مذکورۂ بالا مولوی عبدالحق کے مضمون " پرانی اردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں " میں موجود ہے۔ یہ مضمون پہلے پہل حیدرآباد دکن کے ایک رسالے " افسر " میں شایع ہوا تھا۔ (یہ رسالہ راقم نے ۱۹۵۹ء میں مولانا عبدالحلیم چشتی مقیم کراچی کے پاس دیکھا تھا) پھر رسالہ اردو میں ۱۹۳۰ء میں چھپا۔ اور ۱۹۶۱ء میں مولوی عبدالحق کی کتاب " قدیم اردو " میں شامل ہو کر پھر چھپ گیا ہے)۔ مولوی عبدالحق نے اس مضمون میں قیاس سے کام لے کر خود ترجمے کا کوئی سنہ متعیّن کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ صرف یہ لکھا ہے :

" کیا افسوس کا دن ہے کہ اختتام کا دن اور تاریخ موجود ہے لیکن سنہ ندارد۔ حکیم صاحب کا انتقال جیسا کہ حکیم محمّد احمد خاں صاحب کی زبانی معلوم ہوا۔ ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱ء) ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترجمہ اس سے قبل کا ہوگا۔

حکیم شریف خاں کا سنہ وفات جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے ۱۲۱۶ھ نہیں ہے ۱۲۳۱ھ ہے۔ مولوی عبدالحق نے اپنے ایک اور مضمون " اردو زبان و ادب " میں جو ان کی وفات (۱۹۶۱ء) کے بعد ماہنامہ ہم قلم کراچی کے بابائے اردو نمبر میں چھپا ہے۔ اس ترجمۂ قرآن کا سنہ

تحریر متعین کرنے کی کوشش کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

" ترجمے کے آخر میں کاتب نے روز جمعہ ۹ ذیقعدہ لکھا ہے۔ حساب کرنے سے اس کا سن ۱۲۰۸ھ م ۱۷۹۳ء برآمد ہوتا ہے"۔

لیکن تقویم خالدی (مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی) کی رو سے یہ حساب غلط ہے، ۱۲۰۸ء میں ۹ ذیقعدہ کو جمعے کا دن نہیں پڑتا البتہ اس تاریخ کو جمعے کا دن ۱۲۱۴ھ ۱۲۰۶ھ ۱۱۹۸ھ وغیرہ سنین میں پڑتا ہے۔ اور کوئی قرینہ ایسا موجود نہیں کہ ان میں سے کسی ایک سنہ کو ترجیح دی جائے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترجمہ شاہ عالم ثانی کی وفات (۱۲۲۱ھ م ۱۸۰۶ء) سے قبل کا ہے۔ کیوں کہ اس کے آخر کی عبارت میں شاہ عالم ثانی کا ذکر دعائیہ کلمات کے ساتھ موجود ہے۔ جہاں تک موضح قرآن (۱۲۰۵ھ) سے اس کے مقدم یا مؤخر ہونے کا سوال ہے اس کا فیصلہ کرنے کے لیے بھی کوئی قوی بنیاد موجود نہیں کیوں کہ شاہ عبدالقادر نے موضح قرآن کے دیباچے میں اپنے ترجمے یا تفسیری فوائد کی فضلیتِ تقدم کا بصراحت کوئی دعوی نہیں کیا ہے۔

مولوی عبدالحق، جنھیں اس ترجمۂ قرآن کا قلمی نسخہ خود دیکھنے کا موقع ملا ہے اس کی نوعیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

" حکیم صاحب اسے تفسیر کہتے ہیں۔ لیکن در حقیقت ترجمہ ہے، البتہ موقع سے کہیں کہیں ایک آدھ لفظ ترجمے کی صراحت کے لیے بڑھا دیا گیا ہے۔ (قدیم اردو، ص ۱۳۱)

حواشی

(۱) حکیم واصل خاں شاہ علم اللہ کے خلیفہ بھی تھے۔

(۲) مولوی عبدالقادر رام پوری نے اپنے وقائع میں حکیم شریف خاں کے اس دعوی کا رد کرتے ہوئے کہ قطب الافلاک کا سکون محال ہے لکھا ہے کہ اس (مہمل) خیال سے اس بزرگوار کے فن طب کے کمال میں کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔ کیوں کہ بہت سے علماء جن کا ذہن امور عامہ اور طبیعیات کی مشق میں شک کا عادی ہوگیا ہو ریاضی کے یقینی تخیل کو بھی بلا ڈالتے ہیں۔ (ص ۲۹۷، ۲۹۸)

(۳) حکیم محمد نبی جمال سویدا کے خط بنام راقم مؤرخہ ۳۰/ اگست ۱۹۶۶ء کا اقتباس درج ذیل ہے:

" حکیم شریف خاں صاحب کا کیا ہوا قرآن شریف کا اردو ترجمہ حکیم محمد احمد خاں صاحب مرحوم و مغفور کے صاحبزادے حکیم محمود احمد خاں کے پاس

محفوظ ہے۔ اس ترجمے کی اہمیت کے پیش نظر طباعت کی انتہائی کوشش کی مگر حکیم محمود احمد خاں اپنی مزاجی احتیاط کی بدولت رضا مند نہیں ہوئے۔ اس طرح مسلمانوں کو اچھی چیز سے تا حال محرومی ہے "۔

(۴) کتاب "یوپی میں اردو " رسالۂ کنول آگرہ میں بالاقساط چھپی تھی۔ پاکستان میں صرف مفتی صاحب مُصنِّف کتاب ہذا (مقیم کراچی) کے ذاتی کتاب خانے میں دستیاب تھی جس میں رسالۂ کنول کے اجزاء کتابی صورت میں یکجا کر دیے گئے تھے۔ میری درخواست پر مفتی صاحب نے اسے دیکھنے کا موقع عنایت فرمایا تھا۔ یہ کم و بیش ۲۵ برس پہلے کی بات ہے، جب کہ وہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی سے وابستہ تھے۔ ان سے پہلی بار شرفِ نیاز اس سوسائٹی کے دفتر میں مُحبِّ محترم محمدّ ایوب قادری (م) کے توسط سے حاصل ہوا تھا، دوسری بار ان کے مکان پر حاضر ہوا۔ اس وقت کتاب " یوپی میں اردو " دیکھنے کا موقع ملا۔

(۵) یہی بات مرحوم محمدّ ایوب قادری نے تذکرۂ علمائے ہند کے ترجمے " علم و عمل " پر اپنے حواشی میں دہرا دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں " حکیم محمدّ احمد خاں دہلوی (ف ۱۹۳۰ء) کے پاس یہ پورا ترجمہ مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود تھا (ص ۲۳۴)۔ حالانکہ مولوی عبدالحق نے وہ ترقیمہ نقل کیا ہے جس میں کاتب نے اپنا نام محمدّ بدر الدین درج کیا ہے۔

کتابیات

۱۔ "تذکرۂ علمائے ہند" مولفہ رحمان علی نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء

۲۔ "تذکرۂ علمائے ہند" مولفہ رحمان علی ترجمہ محمدّ ایوب قادری کراچی ۱۹۶۱ء

۳۔ "علم و عمل" (ترجمۂ وقائع عبدالقادر خانی) مرتبہ محمدّ ایوب قادری جلد اوّل ۱۹۶۰ء

۴۔ "تذکرۂ اہل دہلی" سر سید احمد خاں مرتبہ اختر جونا گڑھی طبع دوم کراچی ۱۹۶۵ء

۵۔ "قدیم اردو" مولوی عبدالحق شایع کردہ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۶۱ء

۶۔ "داستان تاریخ اردو" حامد حسن قادری طبع دوم آگرہ ۱۹۵۰ء

۷۔ "حیات اجمل" قاضی عبدالغفار شایع کردہ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۶۱ء

۸۔ "اخبار رنگین" سعادت یا خان رنگین شایع کردہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی

۹۔ "یوپی میں اردو" مفتی انتظام اللہ شہابی رسالۂ کنول آگرہ ۱۹۳۶ء (۱)

۱۰۔ باباے اردو نمبر ماہنامہ ہم قلم کراچی ۱۹۶۲ء

۱۱۔ تقویم ہجری و عیسوی" مرتبہ خالدی شایع کردہ انجمن ترقیِ اردو کراچی۔

پس نوشت:

مضمون مذکورۂ بالا کی مشینی کتابت کے بعد، راقم کو خیال آیا کہ حکیم شریف خاں کے منظوم اردو ترجمۂ قرآن کی طرح (جسے اس قدر طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی منظر عام پر آنے کا موقع نہیں ملا ہے)۔ اردو نثر کی ایسی ہی ایک اور منظوم "تفسیر ہندی" بھی ہے جو ۱۱۳۱ھ میں بھوپال میں لکھی گئی تھی۔ اس کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جاتا ہے۔

نجم الاسلام :

قاضی محمدؐ معظّم سنبھلی کی تفسیر ہندی قلمی

(تصنیف ۱۱۳۱ھ)

مذکورۂ بالا صاحبِ تصنیف اور تصنیف کے بارے میں معلومات ڈاکٹر سلیم حامد رضوی بھوپالی مرحوم کے مطبوعہ مقالۂ علمیّہ سے اخذ کر کے ذیل میں پیش کی جاتی ہیں :

قاضی محمدؐ معظّم سنبھلی بن مفتی محمدؐ اعظم سنبھلی فرّخ سیَر کے عہد میں رائے سین (بھوپال) کے قاضی تھے۔ جب امیر دوست محمدؐ خاں نے ریاست بھوپال قائم کی (۱۷۲۲ء) ، تو قاضی صاحب کے علم و فضل کی شہرت سن کر ان کو بھوپال بلایا اور عہدۂ قضاء پر مامور کیا۔ (تذکرۂ قضاۃ و مفتیان از مولوی ذوالفقار احمد نقوی ص ۱۰۲)۔ قاضی صاحب امیر دوست محمدؐ خاں کے زبردست حلیف اور معتقدِ خاص تھے۔ قلعۂ فتح گڑھ کی بنیاد بھی انھی بزرگ کے ہاتھوں رکھی گئی تھی۔ جب امیر دوست محمدؐ خاں کے ولی عہد یار محمدؐ خاں کو بطور یرغمال حیدرآباد دکن لے جایا گیا ، اس وقت ان کے ساتھ قاضی محمدؐ معظّم سنبھلی کو بھی بھیجا گیا تھا۔ قاضی صاحب تین سال حیدرآباد میں رہ کر نظام الملک کے معتقدین میں شامل ہوگئے تھے۔ ۱۷۲۶ء میں امیر دوست محمدؐ خاں کے انتقال کے بعد یار محمدؐ خاں کے ساتھ واپس آئے۔

نثری تصنیف :

قاضی صاحب کی یادگار " تفسیر ہندی " ہے جو ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء میں لکھی گئی تھی۔ اس میں آیاتِ قرآنی کا مفہوم اردو نثر میں بیان کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم حامد رضوی بھوپالی کو اس کا ایک قلمی نسخہ نور الحسن سارنگ پوری کے ذاتی کتاب خانے میں ملا۔ اس کا ذکر پہلی بار ڈاکٹر سلیم حامد رضوی کے مطبوعہ مقالۂ علمیّہ " اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ " (شایع کردہ ادارہ ادب و تنقید ، تلیا ، بھوپال ، ۱۹۶۵ء) میں شامل ہو کر علمی حلقوں کے سامنے آیا۔ در حقیقت وہی اس کے پہلے دیکھنے والے اور متعارف کرانے والے تھے ، اور ہماری اب تک کی معلومات کے مطابق آخری بھی ، کیوں کہ ان کے بعد اب تک کسی اور فاضل نے اس قلمی کتاب کو دیکھنے کا دعوی نہیں کیا ہے اور اس پر ایک ناظر کی حیثیت سے قلم نہیں اٹھایا ہے۔ جس نے ذکر کیا ہے صرف ڈاکٹر سلیم حامد رضوی کی فراہم کردہ معلومات پر اکتفا کیا ہے ۔

حالاں کہ "تفسیر ہندی" اردو کے قدیم نثری سرمائے میں فضلی کی کربل کتھا (۱۱۴۵ھ، نظر ثانی ۱۱۶۰ھ) سے بھی اقدم ہے۔

"تفسیر ہندی" کے مخطوطے کی کیفیت:

ڈاکٹر رضوی مرحوم کے بیان کے مطابق قلمی نسخہ ناقص ہے۔ جسے قاضی محمدؐ معظم سنبھلی کے پوتے قاضی احمد علی نے مجلّد کرا کے اپنے قلم سے عبارت ذیل اس پر لکھی تھی:

"تصنیف جدّ ماجد شریعت و فضیلت پناہ قاضی محمدؐ معظم حفظ اللہ تعالیٰ"

اس عبارت کے بعد قاضی احمد علی کی مُہر لگی ہوئی ہے جو ۱۲۶۰ھ کی ہے۔ اصل نسخے میں تاریخ کتابت ۱۱۳۲ھ ہے اور ڈاکٹر رضوی اس کا تصنیف ۱۱۳۱ھ بتاتے ہیں۔

صاحبِ مخطوطہ:

اپنے مطبوعہ مقالۂ علمیہ "اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ" میں ڈاکٹر رضوی نے قاضی محمدؐ معظم کا ذکر صفحات ۶۰، ۷۰، ۸۰ پر کیا ہے۔ ص ۷۰ پر اپنے ایک حاشیے میں انھوں نے صراحت کی ہے کہ "تفسیر ہندی" کا قلمی نسخہ نور الحسن مرحوم کے کتب خانے میں تھا۔ ص ۸۰ پر ایک اور قلمی کتاب "مثنوی فقۂ ہندی" از مفتی خیر اللہ صدّیقی کے ذیل میں ڈاکٹر رضوی، نور الحسن مرحوم سے متعلق مزید کچھ صراحت کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ:

"(فقۂ ہندی کا) ایک مکمّل نسخہ مولوی سیّد نور الحسن سارنگ پوری کے کتب خانے میں بھی ہے جس سے میں نے استفادہ کیا ہے"۔

معلوم ہوا کہ ان نور الحسن مرحوم کا پورا نام مولوی سیّد نور الحسن سارنگ پوری تھا۔ اسی کتاب کے ص ۲۵۰ پر اسی شخصیت کا ذکر "مولوی نور الحسن نقوی سارنگ پوری" کے عنوان سے دور سوم کے نثر نگاروں کے ذیل میں بطور خاص کیا ہے۔ ان کے حال میں ڈاکٹر رضوی لکھتے ہیں:

"مولوی صاحب پندرہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کے مُصنّف و مؤلّف ہیں۔ یہ تمام مذہبی ہیں:

۱۔ ربع الحی علی شرح شمائل النبی صلعم۔ ۲۔ خیر الدقیق ترجمۂ تحفۃ الصدیق (قلمی)۔ ۳۔ المتبداء والخبر۔ ۴۔ الفیض الجاریہ (مطبوعہ افضل المطابع)۔ ۵۔ استبصار نصیحت (مطبوعہ افضل المطابع)۔ ۶۔ تسخیر لاحواب (قلمی)۔ ۷۔ اسرار خسروی سیاست اسلام (قلمی)۔ ۸۔ قلائد العقیان (قلمی)۔ ۹۔ مولود

الانبیاء (قلمی)، ۱۰۔ حکایات غوث الاعظم (قلمی)، مناقب السادات
(مطبوعہ علوی پریس بھوپال)۔ مولوی صاحب نے خود مجھے ان چند کتابوں
کے نام اور مطبع بتائے تھے جو انھوں نے اپنے لڑکے حسن عسکری کے نام سے
چھپوائی ہیں"۔

اس کے بعد ڈاکٹر رضوی نے ان دس مطبوعات کے نام مطبعوں کی صراحت کے ساتھ درج کیے ہیں جو مولوی نور الحسن نے اپنے صاحب زادے حسن عسکری کے نام سے چھپوائی تھیں۔ اس طرح متعین طور پر ان کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد بیس ہوجاتی ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ خود ڈاکٹر رضوی نے اوپر کے اقتباس میں ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی تعداد پندرہ بتائی ہے۔ اس سے بخوبی ظاہر ہے کہ وہ مولوی سیّد نور الحسن سے شخصاً واقف تھے۔ مولوی نور الحسن کے کتاب خانے تک ان کی رسائی تھی۔

ڈاکٹر رضوی نے اپنے مقالۂ علمیّہ کی تمہید میں اپنے مآخذ کی تفصیل بھی درج کی ہے۔ اس ذیل میں ایک بار پھر سیّد نور الحسن سے شخصی ربط کا ثبوت دیا ہے۔ وہ " الکۂ بھوپال " (مطبوعہ ۱۸۹۰ء) از سیّد مہدی حسن سہسوانی، کے بارے میں ص ۲۲ پر اپنے تحریر کردہ حاشیے میں لکھتے ہیں:

> اس تاریخ کے بارے میں بھوپال کے ایک سن رسیدہ بزرگ سیّد نور الحسن جنھوں نے دورِ شاہجہانی (دور نواب شاہجہاں بیگم) اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، فرماتے ہیں کہ سیّد مہدی حسن سہسوانی فرضی نام ہے۔ یہ دراصل یٰسین محمد خاں کی تصنیف ہے۔ یٰسین محمد خاں اور نواب شاہجہاں بیگم کے درمیان بھوپال کی گدّی کے سلسلے میں سخت اختلاف تھا۔ اس لیے انھوں نے اِس تاریخ میں اُن کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے"۔

ہمارا قیاس ہے کہ یہ سیّد نور الحسن بھی وہی ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ نثر نگار مولوی نور الحسن نقوی سارنگ پوری کا جو حال ڈاکٹر رضوی نے صفحہ ۲۵۰ پر لکھا ہے اور جسے اوپر نقل کیا جاچکا ہے، اس کی ابتداء میں یہ صراحت بھی کی ہے " شعراء کے زمرے میں (ان کا) تعارف کرایا جاچکا ہے"۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے بھی یہاں پیش کیا جائے۔ صفحہ ۲۲۰ پر ڈاکٹر رضوی ذیلی عنوان " سیّد نور الحسن نسیم نقوی " کے تحت لکھتے ہیں:

"بحیثیت شاعر آپ کو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ بدلتے ہوئے رجحانات کو پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے دور شاہجہانی ہی میں مشغلۂ شعر و سخن اور مشاعروں میں شرکت ترک کرچکے تھے۔ بھوپال میں نسیم تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنے قول کے مطابق ان کی پیدائش ۱۸۷۰ء میں ہوئی تھی اور بفضلہٖ تعالیٰ اب تک بقید حیات (حاشیہ : ۴ ستمبر ۵۸ء کو انتقال ہوگیا)۔ دو سال پہلے تک دماغی حالت بالکل صحیح تھی مگر اب ضعفِ پیری کی بدولت قوائے جسمانی و دماغی تقریباً جواب دے چکے ہیں۔ آپ عبدالعزیز اعجاز اور امیر مینائی کے شاگرد ہیں۔ نظم میں مثنوی شعلۂ عشق، مثنوی مراۃ الخیال، اور مثنوی تجلیِ عشق آپ کی متصوفانہ تصانیف ہیں۔ ایک دیوان غیر مطبوعہ ہے، اس کے علاوہ ایک طویل مرثیہ بھی لکھا ہے۔ ان کے پاس امیر مینائی کے خطوط بھی ہیں جن میں ان کے کلام پر اصلاح دی ہے۔ ایک خط اور اصلاح کا کچھ حصّہ بطور نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے ..." ۔

(ص ۲۲۰)

ان سب تفصیلات کے بعد مولوی نور الحسن اور ان کے صاحب زادے کی تعیین اور ان کے کتاب خانے کی تلاش و جستجو میں ناکامی کا امکان بہت کم رہ جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ نور الحسن یا نور الحسن نقوی سارنگ پوری کے اس ذخیرۂ کتب کو تلاش کیا جانا چاہیے جس میں ڈاکٹر رضوی کو "تفسیر ہندی" قلمی (تصنیف ۱۱۳۱ھ) اور مثنوی "فقہ ہندی" قلمی (تصنیف ۱۱۵۱ھ) کے نسخے ملے تھے۔ اور اس میں کامیابی کے بعد بالخصوص قاضی محمدؐ معظم سنبھلی کی تفسیر ہندی کے متن کو تحقیق و تدوین کے عمل سے گزار کر شایع کیا جانا چاہیے تاکہ اس کی اصلیت پورے طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے اور قدیم اردو نثر کی تاریخ میں اسے وہ مقام حاصل ہوسکے جس کی بر بنائے قدامت وہ مستحق ہے۔

تفسیر ہندی کا دستیاب اقتباس :

اس وقت تک، جب کہ ڈاکٹر سلیم حامد رضوی مرحوم کے مقالۂ علمیّہ کی اشاعت (جنوری ۱۹۶۵ء) کو تقریباً ۳۵ برس گزر چکے ہیں اس تفسیر کا صرف ایک ہی مختصر اقتباس دستیاب ہے جو ابتداءً ڈاکٹر رضوی نے قلمی کتاب خود دیکھ کر نقل کیا تھا، اسے من و عن ذیل میں نقل کیا جاتا ہے :

۹۷''

تفسیرِ سورۂ بقر

" اس سورہ میں پہلے صفت ایمان والوں کی ۔ پیچھے صفت کافروں کی ۔ اس کے پیچھے منافقوں کی فرمائی ہے : یہ حکم کیا ہے اپنے بندے کو کہ کہا مانو اللہ کا جو مالک ہے سب مخلوق کا اور بشارت دی ہے کہا ماننے والوں کو ثواب کی ۔ اور وعدہ دیا ہے عذاب کا منکروں کو۔

پیچھے اس کے منوائی ہے اپنے پیغمبر کی پیغمبری۔ جو تم نہ مانو کہ یہ کلام خدا کا ہے ... تو تم بھی ایسا کلام بنا لاؤ ۔ اور جو نہ ہوسکے ایسا کلام تم سے تو ڈرتے رہو عذاب سے۔

اس پیچھے قصہ خلیفہ کرنے حضرت آدم کا اور ورغلانے شیطان کا بیان کیا۔

اس پیچھے شرارتیں یہودیوں کی ... کافروں نے کہا کہ تم کہتے ہو یہ کلام اللہ کا ہے۔ اللہ تو بہت بڑا ہے۔ اس کو کیا لائق ہے کہ چھوٹی چیزوں کا نام لیوے ... حق تعالےٰ نے فرمایا ان چیزوں کا ناؤ لینا موافق مقام کے ہوتا ہے ... "

(ص ،، ۸۰،،)

اسی اقتباس پر اس مختصر مضمون کو ختم کیا جاتا ہے ۔ اور توقع کی جاتی ہے کہ اربابِ تحقیق "تفسیر ہندی" کے اس قلمی نسخے کی بازیافت کی طرف ضروری طور پر توجہ مبذول کریں گے اور بتا سکیں گے کہ یہ قلمی نسخہ اب کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

گوشۂ مختار الدّین احمد

مشتمل بر

مقالات و مکتوبات

گزشتہ شمارے میں علامہ عبدالعزیز المیمنی کے ایک ممتاز شاگرد ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کی طویل اور شاندار علمی خدمات کے اعتراف میں ایک گوشۂ تہنیت پیش کیا گیا تھا۔ اس شمارے میں علامہ عبدالعزیز المیمنی کے ایک اور ممتاز شاگرد ڈاکٹر مختارالدین احمد کی نصف صدی سے بھی زائد عرصے کی علمی خدمات جلیلہ پر گوشۂ تہنیت بعنوان "گوشۂ مختارالدین احمد" پیش کیا جاتا ہے۔ یہ ڈاکٹر مختارالدین احمد کے تحریر کردہ چار مقالات اور اُن کے مرتب کردہ ۲۲۳ علمی مکتوبات پر مشتمل ہے۔

مقالاتِ گوشۂ مختارالدّین احمد

- میرزا زین الدّین عشق دہلوی اور کلیاتِ عشق
- امیر قابوس بن وشمگیر
- اردو کا ایک قدیم ترین رقعہ
- ایک غیر مطبوعہ تذکرۂ تلامذۂ شاد عظیم آبادی

ڈاکٹر مختار الدّین احمد:

میرزا زین الدّین عشق دہلوی

اور

کُلیاتِ عشق

میرزا (۱) زین الدّین عشق، بارہویں صدی ہجری میں فارسی کے ایک پُرگو اور قادر الکلام شاعر گذرے ہیں۔ وہ ایران میں پیدا ہوئے لیکن کم عمری میں دہلی آگئے۔ ان کا بچپن اور جوانی کا زمانہ ایک متموّل خاندان میں گزرا جو ادبی ذوق کی دولت سے بھی مالا مال تھا۔ وہ دہلی میں بخوبی زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر وہاں جب اختلال کا دور شروع ہوا اور شعرائے کرام اور دوسرے اہل کمال ترکِ وطن کر کے لکھنؤ، بنارس، فرّخ آباد، عظیم آباد، مُرشد آباد جانے لگے تو میرزا زین الدّین عشق، بھی سفر پر حضر اور وطن پر غریب الوطنی کو ترجیح دیتے ہوئے عظیم آباد پہنچے اور اپنے پرانے کرم فرما شاہ رکن الدّین عشق عظیم آبادی (متوفی ۱۲۰۳ھ) کے ساتھ مقیم ہوئے۔ دونوں کے تعلّقات دورانِ قیام دہلی ہی میں پیدا ہوگئے تھے جو آخرِ عمر تک استوار رہے (۲)۔ یہاں قیام کے دوران وہ مُرشد آباد بھی آتے جاتے رہے جہاں وہ بعد کو سکونت پذیر ہوگئے۔ ۱۱۹۹ھ تک ان کا بنگال میں زندہ رہنا متحقّق ہے۔

فارسی کے ساتھ میرزا زین الدّین اردو کے بھی شاعر تھے۔ بایں ہمہ بہت کم اردو تذکرہ نویسوں نے ان کی طرف توجہ مبذول کی۔ گلشنِ سخن مؤلّفہ مردان علی خاں مبتلا لکھنوی (م ۱۲۴۱ھ) جس کا سالِ تالیف ۱۱۹۴ھ ہے (۳)، گلزار ابراہیم مؤلّفہ نواب علی ابراہیم خان خلیل عظیم آبادی (متوفی ۱۲۰۸ھ) جو ۱۱۹۸ھ میں مُرتّب ہوا اور تذکرۂ عشقی عظیم آبادی، جو ۱۲۳۰ھ کے لگ بھگ انجام کو پہنچا، حیرت ہے کہ میرزا زین الدّین کے ذکر سے خالی ہیں۔ مردان علی خاں مبتلا ان کے معاصر ہیں۔ عشقی عظیم آبادی نے خاصی تعداد میں شعرائے عظیم آباد و مُرشد آباد کے حالات اپنے تذکرے میں درج کیے ہیں۔ علی ابراہیم خاں میرزا زین الدّین، کے معاصر ہی نہیں، ان

سے گہرے روابط بھی رکھتے تھے۔ میرزا ان کے یہاں مشاعروں میں شریک بھی ہوتے رہے ہیں اور وہ جب علی ابراھیم خاں کا ذکر کرتے ہیں تو انھیں " خلاصۂ نوعِ انسانی " لکھتے ہیں۔ گلزار ابراھیم ہی نہیں فارسی شعراء کے دونوں تذکرے خلاصۃ الکلام اور صُحفِ ابراھیم بھی ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

۱۔ جس تذکرے میں اس شاعر کا ذکر پہلی مرتبہ دیکھنے میں آتا ہے وہ ابوالحسن امیر الدّین احمد المشتہر بہ امر اللہ الٰہ آبادی کا تذکرۂ مسرّت افزا ہے جو ۱۱۹۳ھ میں مکمّل ہوا، گو اس میں ۱۱۹۵ھ تک اضافے ہوتے رہے۔ مؤلّف رقم طراز ہیں :

" میر زین الدّین عشق تخلّص شاہجہاں آبادی مردے بود عاشق مزاج ، درویش وضع مدّتے در دہلی بخوبی بسر بردہ، بعد ازیں از برہمیِ اطوارِ روزگار ازاں دیار آوارہ شدہ در دریا [دیارِ ؟] بنگالہ آمدہ مدّتے در عظیم آباد و مرشد آباد بسر بردہ ، اکنوں ندانم ، کجاست ۔ شعر فارسی و ریختۂ ہندی بخوبی می گفت "۔

پھر مؤلّف نے اس کے چار اردو شعر (خریدار نہ ہوتے / مددگار نہ ہوتے : تحریر کرسکیں ،تعمیر کرسکیں) نقل کیے ہیں۔

۲۔ میر غلام حسین شورش عظیم آبادی (متوفی ۱۱۹۵ھ) اپنے تذکرے "رموز الشعرائیں (جو تذکرۂ شورش کے نام سے مشہور ہے اور جس سال کا تالیف ۱۱۹۱ھ ہے) عشق کے بارے میں لکھتے ہیں :

> " میر زین الدّین عشق شاہجہاں آبادی ۔ باعثِ عدمِ موافقتِ روزگارِ ناہنجار [کہ باکسے اہلِ کمال نساختہ است و نخواہد ساخت (۴)] [از دہلی (۵)] تا بعظیم آباد رسیدہ و بدولت خانہ (۶) حضرت شاہ گھسیٹا صاحب (مدّظلّہ العالی) (۷) فرود آمدہ ۔ مردیست مجسّم بعجز و انکسار و نوادرۂ روزگار (۸)۔ شاعرِ فارسی ، صاحبِ دیوان گاہے فکرِ ریختہ ہم می نماید (۹)۔

نمونۂ کلام کے طور پر اردو کے دو شعر (خریدار نہ ہو / مددگار نہ ہو) درج کیے ہیں (۱۰)۔

۳۔ تذکرۂ عقدِ ثریّا (سالِ تالیف ۱۱۹۹ھ) مؤلّفہ شیخ غلام ہمدانی مصحفی (متوفی ۱۲۴۰ھ)

> " عشق ، مرزا زین الدّین عشق ۔ خودش در جام متولد شد و بہ ہفت سالگی بہ ہند رسیدہ تربیت پیشِ شاہ محمد پناہ قابل یافتہ ۔ مردِ بزرگ

و جہاں دیدہ ۔ شاعرِ پُر گوست "

نمونۂ کلام میں ۵ فارسی شعر درج کیے ہیں (۱۱)۔

۴۔ تذکرۂ ریاض الفصحا ، (ص ۲۱۲) میں مصحفی نے صرف ان کا نام لکھا ہے اور ایک اُردو شعر درج کیا ہے :

منظور گر خرابیِ دل ہے تو ایک بار — ایسا خراب کر کہ نہ تعمیر کر سکیں

۵۔ تذکرۂ نتائج الافکار مؤلفہ قدرت اللہ گوپاموی

" میرزا زین الدّین عشق از جام است در عمر ہفت سالگی واردِ ہند گشتہ از خدمتِ شاہ محمد پناہ قابل ترتیب یافتہ و سرمایۂ قابلیت فراہم آورد ۔ صاحبِ اوصافِ حمیدہ واخلاقِ پسندیدہ بود و طریقِ نظم بلطافت می پیمود ۔ اوائل مائۂ ثالث عشر پا بدامنِ عدم کشید :

دی میگذشت یار و رقیب از عقب رسید — گفتم کہ عمر می رود و مرگ در قضا است

(ص ۵۰۴ طبع خاصنع بمبئی ۱۳۳۶)

۶۔ تذکرۃ الاکابر (قلمی) میں زین الدّین عشق کا نظم کیا ہوا ، ابیات کا ایک قطعہ جو حاجی احمد علی قیامت (متوفی ۱۱۹۲ھ) کی وفات پر لکھا گیا تھا ، درج ہے ۔ ابیاتِ اول و آخر یہ ہیں (۱۲) :

چہ گویم از کمالِ حاجی احمد — کہ اُو در اہلِ حق بودی سرآمد

مضاعف حبِّ پاکِ پنجتن داشت — ببزمِ ساقیِ کوثر در آمد

احمد علی قیامت کی وفات جمعہ ۲۴ ربیع الاول ۱۱۹۲ھ کو عظیم آباد میں ہوئی تھی۔ وہ امام باڑہ مُتّصل چوک پٹنہ سٹی میں دفن ہیں۔

شعراء کے جو تذکرے اس وقت پیش نظر ہیں، ان میں میرزا زین الدّین عشق کے متعلّق جو معلومات ملتے ہیں وہ اوپر پیش ہوئے، بہت مختصر اور تشنہ ہیں اور ان سے مرزا کی زندگی اور ان کی ادبی خدمات کی کوئی واضح تصویر نہیں ابھرتی ۔ ان کے معاصرین بلکہ متأخرین کی تالیفات میں کوئی ایسی کتاب نظر سے نہیں گزری جس میں ان کے حالات پر روشنی پڑتی ہو۔ ان کے دیوانِ فارسی کا ایک نسخہ جو منحصر بہ فرد ہے ، انگلستان میں محفوظ ہے۔ دیوان کی اندرونی شہادتوں سے شاعر کے حالات پر روشنی پڑتی ہے اور بعض مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں۔

① میرزا زین الدّین ، ہرات اور مشہد کے درمیان واقع ، ایران کے مشہور شہر جام کے رہنے والے تھے۔ یہ اطلاع ہمیں مصحفی کے تذکرۂ عقدِ ثریّا سے ملتی ہے۔ اگر ان کا نسبی تعلق وہاں کے مشہور بزرگ اور صوفی شاعر و مُصنِّف شیخ احمد جام (شیخ الاسلام ابو نصر احمد بن ابی الحسن نامقی) ژندہ پیل (۴۴۱ھ - ۵۳۶ھ) سے ہو تو تعجّب نہیں۔ ان کا پہلا قصیدہ جو حمد میں ہے :

اے قادرِ قدرت نما دے صانعِ ارض و سما　　قفلِ دلِ من برکُشا ما گویمت حمد و ثنا

احمد جام ژندہ فیل کے تتبّع میں لکھا گیا ہے۔ غزل کے تین شعروں میں شاعر نے انھیں یاد کیا ہے۔ تیسرا شعر خاص طور پر قابلِ توجہ ہے ؛

در خرابات رہنما اے عشق　　احمدِ ژندہ فیل جامی ماست

اے عشق تواں مست شب از جامِ محبت　　کز احمد جامست نمایاں نسبِ ما

مست می دارد مرا پیوستہ از صہبای عشق　　پیرِ کامل احمد جامی امامِ ژندہ پیل

ایک غزل کے مقطع میں میرزا نے شیخ احمد جام کو اپنا "جدّ" لکھا ہے :

احمد جامست جدّم مدح گوے اہلبیت　　من ازاں میخانہ جامِ بادہ مستاں یافتم

لیکن ایک دوسرے شعر میں وہ شیخ ولی اللہ ہَمَدانی کو اپنا جدّ بتاتے ہیں :

ہمہ داں عشق شد از فیضِ علی جدِّ ما　　کس ولی اللہ علیِ ہَمَدانی است

(ورق ۲۵۰ / الف)

② میرزا کا بچپن اور اس کی جوانی دہلی میں (جسے وہ ہمیشہ شاہجہاں آباد اور کبھی پایۂ تخت شاہجہاں آباد لکھتے ہیں) گزری۔ مصحفی اطلاع دیتے ہیں کہ میرزا سات سال کی عمر میں جام سے وارد ہند ہوئے۔ اس عمر میں ایران سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ آئے ہوں گے ، لیکن اس کی صراحت کہیں نہیں ملتی۔ ان کے باپ کا نام نہ کسی تذکرے میں درج ہے نہ دیوان میں ان کا کہیں ذکر ملا۔ دیوان کے قطعاتِ تاریخ میں بھی کوئی ایسا قطعہ موجود نہیں جس میں ان کے خاندان کے کسی فرد پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

دیوان میں نو شعروں کی ایک غزل ملتی ہے (نگاہ پاک در یابد مرا / سرِ خاشاک دریابد مرا) اس کا عنوان ہے :

"غزلِ عاشقانہ بحسبِ تمنای خلف الرشید میر یعقوب علی جوہر در کلکتہ نزول یافتہ ۱۱۹۰ھ" کیا اس عبارت سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ میر یعقوب علی ان کے بیٹے تھے جو شاعر

تھے، جوہر تخلص کرتے تھے اور ۱۱۹۰ھ میں کلکتے میں مقیم تھے۔ کسی دوسرے ذریعے سے اس امر کی تصدیق نہیں ہوسکی۔ ایک غزل (بلندش / کمندش) پر یہ عنوان درج ہے: " در مُرشد آباد عزیزی ممتحن الشعر بوساطت خواجہ محمود خاں [یا محمود جان ؟] متصدع این غزل گردید، بعون الٰہی در ہماں جلسہ نزول یافت "۔ ممتحن الشعر کا نام معلوم نہ ہوسکا، نہ ان کی شخصیت متشخص ہوسکی۔ اگر یہ مرزا کے قریبی عزیز تھے تو اپنے بزرگ سے ایک غزل کہلوانے کے لیے خواجہ محمود کی وساطت کی کیا ضرورت تھی ؟

دیوان میں مرزا اپنے باپ کا کہیں ذکر نہیں کرتے۔ ان کی کم عمری ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ہو تو تعجب نہیں۔ ہاں وہ اپنے چچا " قبلۂ کونین عموی محمد قباد احمد خاں مشہور بہ فقیر احمد خاں " کا بار بار ذکر کرتے ہیں۔ وہ ان کے بارے میں اطلاع دیتے ہیں کہ وہ عہدِ محمدؐ شاہ فردوس آرامگاہ میں تھے، جس کا زمانہ ۱۱۳۱ھ سے ۱۱۶۱ھ تک ہے (۱۳)۔

محمدؐ قباد خاں فارسی کے شاعر تھے احمد تخلص کرتے تھے اور اپنے یہاں مشاعرے منعقد کرنے کا شوق رکھتے تھے۔ یہ مشاعرے طرحی بھی ہوتے تھے اور غیر طرحی بھی۔ دیوان میں ان کے یہاں کے مُتعدّد مشاعروں کا ذکر ملتا ہے جن کے انعقاد کا زمانہ ۱۱۴۶ھ سے ۱۱۶۲ھ تک پھیلا ہوا ہے۔ دیوان میں ان کے چچا کی زندگی کے کسی واقعے یہاں تک کہ ان کی وفات پر بھی کوئی قطعۂ تاریخ نہیں ملتا، یہ بات بھی باعثِ حیرت ہے، ان کی وفات کب ہوئی یہ معلوم نہیں۔ ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ۱۱۶۲ھ تک وہ ضرور زندہ تھے۔ ترتیبِ دیوان کے وقت وہ فوت ہوچکے تھے اس لیے کہ انھیں ہر جگہ مرحوم لکھا ہے لیکن یہ ہمارے مفید مطلب نہیں، اس لیے کہ ترتیبِ دیوان کا زمانہ بہت بعد کا ہے۔ دیوان میں اس خاندان کے اسلاف و اخلاف میں سے اور کسی کا ذکر نہیں ملا۔ میر یعقوب علی جوہر خلف الرشید کا ذکر اوپر گزرا۔

قباد خاں احمد کا ذکر کسی تذکرے میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ نہ ان کا کلام کہیں ملا۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اگر اُنھیں کسی سے شرفِ تلمّذ حاصل تھا تو کس سے تھا ؟ دہلی اس زمانے میں کم از کم حملۂ نادر سے پہلے بڑے اہم شعرا کی آماجگاہ تھی۔ ان کا دیوان غالباً کبھی مرتب نہیں ہوا ورنہ بہت اچھے شاعر نہ ہونے پر بھی اس عہد کے تذکروں میں ان کے ذکر کی گنجائش نکل آتی۔ کسی بیاض یا جُنگ میں بھی ان کے نام اور ان کے اشعار پر نظر نہیں پڑتی۔ میر زین الدّین کی تعلیم و تربیت ان کے چچا کی نگرانی میں ہوئی۔ مصحفی کے قول کی بنا پر ان کی تعلیم و تربیت کے لیے شاہ محمدؐ پناہ کشمیری متخلّص بہ قابل کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ یہ فارسی

کے شاعر تھے اور مرزا عبدالقادر بیدل (متوفی ۱۱۳۳ھ) سے انھیں شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ تصوّف سے ربط رکھتے تھے۔ لباسِ درویشی میں انھوں نے صلاح و تقویٰ کے ساتھ زندگی بسر کی۔ دہلی کے لوگ ان کے علم و فضل کی وجہ سے ان کی عزّت کرتے تھے۔ دیوانِ حافظ کے جواب میں انھوں نے ایک دیوان مُرتّب کیا تھا (۱۴)۔ عبدالوہاب افتخار ان کے بارے میں لکھتے ہیں:
"جوہرِ قابل و از تلامذۂ میرزا بیدل است۔ اقسام شعر دارد و بسیار دارد۔ اُو آیینِ شہرستانِ سخن می بندد (۱۵)" حاکم لاہوری دہلی میں ان سے ملے تھے۔ پچاس ساٹھ ہزار شعروں پر مشتمل ضخیم دیوان کا انھوں نے ذکر کیا ہے۔ دیوان بجوابِ دیوانِ حافظ اس پر مستزاد (مردم دیدہ ص ۱۸۱)۔

(۴) کچھ حقائق سامنے رکھ کر اور کچھ قیاسات سے کام لے کر کچھ نتائج برآمد کیے جاسکتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرزین الدّین تقریباً ۱۱۲۰ھ (یہ سال ۱۱۳۰ھ بھی ہوسکتا ہے) میں جام (ایران) میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں تقریباً ۱۱۲۷ھ میں ہندوستان آکر شاہجہاں آباد میں مقیم ہوئے۔ ۱۱۶۷ھ ۱۱۶۹ھ ۱۱۸۰ھ میں بھی ہم انھیں دہلی میں موجود پاتے ہیں (۱۶)۔

شاہ رکن الدّین عشق غالباً ۱۱۷۹ھ میں دہلی سے عظیم آباد آئے۔ قیاس ہے کہ مرزا زین الدّین عشق اس کے بعد عظیم آباد پہنچے ہوں۔ بہرحال ۱۱۷۶ھ یا ۱۱۷۹ھ سے ۱۱۹۱ھ تک ہم انھیں ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں میں کبھی آزادانہ مشاعروں اور ادبی مجلسوں میں اور کبھی احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں موجود پاتے ہیں۔ تفصیلات آگے آرہی ہیں۔ ۱۱۹۱ھ میں وہ عظیم آباد میں پائے جاتے ہیں۔ ۱۱۹۳ھ ۱۱۹۴ھ اور ۱۱۹۵ھ میں بھی وہ عظیم آباد میں ہوتے ہیں۔ ۱۱۹۲ھ اور ۱۱۹۴ھ میں ان کے مُرشد آباد میں قیام کا ثبوت ملتا ہے۔ ۱۱۹۵ھ میں بھی وہ وہیں ہوتے ہیں۔ ۱۱۹۷ھ میں وہ کلکتے میں تھے۔ ۱۱۹۹ھ میں بھی وہ وہیں تھے۔ اپنے دیوان پر نظرِ ثانی اور حواشی پر تازہ اشعار کے اضافے کر رہے تھے۔

سالِ ولادت و سالِ ورودِ ہند کی طرح میرزا زین الدّین کا سالِ وفات بھی معلوم نہ ہوسکا۔ ۱۱۹۹ھ تک ان کے زندہ رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ مصحفی کے تذکرۂ عقدِ ثریّا کا سال تصنیف ۱۱۹۹ھ ہے (۱۷)۔ اس وقت میرزا زندہ تھے۔

دیوان میں ان کے سلسلے میں جس آخری سال کا اندراج ملتا ہے وہ ۱۱۹۹ھ ہے۔ آخرِ دیوان میں اوزان رباعیات پر ان کے رسالے مجمع الاخبار کا اختصار پایا جاتا ہے جو ان کی تصریح کے مطابق ۱۱۹۹ھ میں انھوں نے تیار کیا ہے۔ اس وقت ان کی عمر راقم کے اندازے کے مطابق ستّر اسّی کے قریب ہوگی۔ عجب نہیں آٹھ دس سال کے اندر ہی مُرشد آباد یا کلکتے میں

ان کی وفات ہوئی ہو اور وہی شہر ان کا مدفن بنا ہو۔

دیوان کے پیش نظر نسخے کے سرورق پر سر ولیم جونس (۱۷۴۶۔ لندن ۱۷۹۴ء کلکتہ) کی انگریزی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا نے دیوان کا موجودہ نسخہ گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز (۱۷۳۲۔ ۱۸۱۸ء) (۱۸) کو پیش کیا تھا۔ اس پر تاریخ ۲۱ مئی ۱۷۸۵ء درج ہے جو ۱۴ / رجب ۱۱۹۹ھ کے مطابق ہے۔ معلوم ہوا اس تاریخ تک مرزا زین الدّین عشق شاہجہاں آبادی زندہ تھے اور شہرِ کلکتہ میں مقیم تھے۔

(۴) مرزا کی تحریروں میں سفرِ ایران کا ذکر ملتا ہے لیکن اب تک ایسے خارجی شواہد نہیں ملے ہیں جن سے اس مسئلے کی توثیق و توضیح ہو۔ ایران ان کا مسقط الراس ہے۔ سات سال کی عمر تک وہاں رہنا تو مصحفی کے بیان سے ثابت ہے۔ ہندوستان میں قیام کے بعد اگر وہ ایران گئے تو اس کی کوئی صریح شہادت نہیں ملتی اور وہ زمانہ بھی متعیّن نہیں۔ کچھ قراین اس کی طرف اشارہ ضرور کرتے ہیں۔

میرزا زین الدّین، اپنے مکتوب بنام شاعرِ معاصر عنایت اللہ بیگ ساکن عظیم آبادی (متوفی ۱۲۱۱ھ) میں لکھتے ہیں:

ز ملکِ ہند رفتم در ولایت نہ کردم با کسے رمز و کنایت

ولایت سے اس زمانے میں ایران اور افغانستان مراد لیا جاتا تھا۔ میرے بچپن میں ولایتی ان افغانوں کو کہتے تھے جو افغانستان سے زعفران، ہینگ، کمبل، لوئی اور اُونی چادریں لاکر فروخت کیا کرتے تھے۔ انگلستان کو بھی کہتے تھے۔ صاحب ولایت گئے ہوئے ہیں، یعنی انگلستان، فلاں کے صاحب زادے تعلیم کے لیے ولایت گئے ہوئے ہیں یعنی انگلستان یا یورپ۔ اسی قطعے میں وہ لکھتے ہیں:

بہر شہرے کہ رفتم تا ولایت رئیساں کردہ با من رنگِ الفت

سفرِ ایران پر گفتگو کے وقت میرزا کا یہ شعر بھی پیش نظر رکھنا چاہیے اور جو دیوان میں موجود ہے:

ز ہندوستان تا ولایت دیار بسے رنج بردم بتحصیل گنج

اس قطعے میں جو شاعر نے حاجی محمّد محسن کی مدح میں لکھا ہے یہ شعر بھی قابل غور ہے:

ز ایران تا بہ بنگالہ سراسر پئے وادھم گردیدم بہ ہر در

میرزا، دیوان کے آخر میں رباعیوں کی تمہیدی نثر میں لکھتے ہیں:

" از سن تمیز نہ سالگی تا بشصت کہ ۱۱۹۹ھ مبارک ست مکر در یوزہ گری بر درِ ارباب سخن بستہ " بعجز و انکسار از کنار دریاے شور و فرنگستان و دیار بندر کلکتہ و ہندستان زمین و " ولایت دیار " منزل بمنزل و قریہ بقریہ و شہر بشہر با شعرای برکل زمین استفادہ برداشتہ "

میرزا کہتے ہیں کہ سن شعور سے جب وہ نو سال کے تھے ساٹھ سال کی عمر تک ہندوستان میں نہیں ایران کے شہروں قصبات و مواضع میں بھی وہ گھومتے رہے اور شعراء سے استفادہ کرتے رہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس زمانے کی بات ہے ؟

یا تو دہلی کے دوران قیام انھیں سفر ایران کا موقع ملا یعنی تقریباً ۱۱۶۰ھ سے پہلے وہ ایران گئے اور پھر واپس آگئے۔ یا ۱۱۶۰ھ کے بعد اور عظیم آباد پہنچنے سے پہلے یعنی ۱۱۹۱ھ تک جب وہ ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیر کر رہے تھے اور وہاں کے مشاعروں ادبی نشستوں میں شریک ہو رہے تھے انھیں سفر ایران کا موقع ملا۔ اس لیے کہ ۱۱۹۱ھ سے ۱۱۹۹ھ تک عظیم آباد اور مرشد آباد کے اطراف میں ان کے رہنے کے شواہد موجود ہیں۔ ایران کا سفر اگر انھوں نے کیا ہے تو اس سے پہلے کیا ہوگا۔

یہاں ان کے سفر ایران پر ایک شبہہ یہ وارد ہوتا ہے کہ دیوان کے موجودہ نسخے میں کسی ایک غزل کے بارے میں وہ یہ اطلاع نہیں دیتے کہ یہ ایران کے فلاں شہر میں فلاں شاعر کی استدعا پر لکھی یا فلاں شاعر کے گھر پر یہ غزل پڑھی یا فلاں کے منعقد کیے ہوئے مشاعرے میں میں نے یہ غزل فلاں سنہ میں سنائی۔ جس طرح کہ دیوان میں بیسیوں شہادتیں ملتی ہیں ہندوستان کے مشاعروں،ادبی نشستوں میں شرکت کی بقید سنین و مقامات۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟

⑤ میرزا کا ذریعہ معاش معلوم نہ ہوسکا۔ تجارت سے گزر اوقات تھی یا ملازم پیشہ تھے کچھ حال نہیں کھلتا۔ دربار شاہی سے متعلق ہوتے تو کسی تذکرے میں یا ان کے دیوان میں شاید کوئی حوالہ مل جاتا۔ یہ قرین قیاس ہے کہ اپنے چچا کی وفات کے بعد وہ کچھ عرصے کے لیے فوج میں ملازم رہے ہوں۔ دیوان میں ایک جگہ مغل بادشاہ محمد شاہ (۱۱۳۱ھ۔ ۱۱۶۱ھ) اور چند مقامات پر احمد شاہ دز درانی (۱۳۸۰ھ۔ ۱۱۳۵ھ) کے لشکر میں جالندھر اور جلال آباد میں ان کے رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک غزل کے دو شعر دیوان (ورق ۳۸۹ / ب) میں ملتے ہیں جس کا مطلع ہے:

بتو کشید چشم تر ، دجلہ بہ دجلہ شط بشط　　　دور حباب نہ فلک گشت رواں چو بط بہ بط

اس کا عنوان دیوان میں یوں درج ہے: ایں دو بیت رقیق القافیہ درمن بلشکر محمد شاہ در

سفر بن گھر (بن گڑھ ؟) نزول یافتہ

۲۔ ایک غزل :

جان مست و جہاں مست و مکیں مست و مکاں مست　　　ما مست و سما مست و زمین مست و زمان مست (۱۹)

(ورق ۲۱۵ / ب)

کے عنوان " این غزل ممتنع الجواب در لشکر احمد شاہ درّانی گفتہ شد " سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میرزا زین الدین، احمد شاہ درّانی کے لشکر کے ساتھ تھے لیکن یہ نہیں کھلتا کہ کب اور کہاں !

۳۔ اسی طرح ردیف دال میں ایک غزل ملتی ہے :

بادہ نوشانِ خرابات مقامے دارند　　　گشتہ بے نام و نشان شہرت نامے دارند

اس کی پیشانی پر درج ہے :

" غزل در بحر رمل مثمن مخبون مسبع فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان در مقام لودہنا (لودھیانہ ؟) بلشکر (؟) احمد شاہ نزول یافتہ (ورق ۲۰۰ / الف)

۴۔ اسی ردیف کی غزل کا مطلع ہے :

خاصیت تو در نظرم کیمیا بود　　　ہرکس دمے کہ با تو نشیند طلا بود

اس کا عنوان شعر ہے کہ یہ غزل احمد شاہ در درّانی کی فرمایش پر میرزا عشق نے سہرند (سرھند) میں لکھی تھی (ورق ۳۰۳ / الف)

۵۔ دیوان میں اس کے بعد کی غزل :

تو ہرچہ میکنی اے خوش مزاج می زیبد　　　باین نشستنِ تو تخت و تاج می زیبد

اس کے بارے میں ہمیں اطلاع ملتی ہے کہ مقام جالندھر میں لشکر شاہ درّانی میں اس کا نزول ہوا (ورق ۳۰۳ / الف)

۶۔ آن غنچہ لب حکایتِ دل گر کشا کند　　　باخندۂ طرب حوں کلیم آشنا کند

اس کا عنوان ہے: غزل عاشقانہ در لشکر شاہ درانی با علی وردی خاں شاملو (حرب تخلص) طرح نمودہ شد ۱۱۷۰ھ ۔ اس سے صراحت ہو گئی کہ میرزا ۱۱۷۰ھ میں احمد شاہ درّانی کے لشکر میں موجود تھے۔ (ورق ۳۱۳ / الف)

۷۔ ایک غزل کا عنوان ہے : ایں غزل در بحر مسرح مثمن اخرب مکفوف محذوف

مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن ست مصرعِ ثانیِ مطلعِ آن از احمد شاہ دُرِّ دُرّانی ست
(ورق ۳۳۸ / الف)

بحسب فرمائش آں بادشاہ در سہرند ایں غزل نزول یافتہ

صد پارہ بفریاد دل از سنگِ جفا شد　　یک شیشہ شکستیم و جہاں پُر ز صدا شد

دوسرے مصرع پر جو احمد شاہ دُرّانی کا ہے ۲ کا نشان بنا ہوا ہے

۸۔ ردیف س میں ۱۱ شعروں کی ایک غزل کا مطلع ہے :

شورِ جنونم بہ بہاراں مپرس　　جیب دریدم ز گریباں مپرس

اس سے پہلے یہ عبارت درج ہے :

"غزل عاشقانہ رواں ... در لشکرِ احمد خاں دُرِّ دُرّانی بہ جلال آباد نزول یافتہ "

اس عبارت سے احمد خاں دُرّانی کے لشکر کے ساتھ جلال آباد میں ان کا قیام ثابت ہوتا ہے۔

۹۔ یہ غزل لشکرِ احمد شاہ موضع جلندر (جالندھر) میں لکھی گئی ہے (ورق ۳۳۹ / الف)

قربانِ تو خوش آمدی از راہِ تلطف　　بنشین و کمر وا کن و بر دار تکلف

۱۰۔ غزل :

بے روئے تو از بوئی گل آشفتہ دماغم　　بے ... تو آتش زدہ صبا بہ ایاغم

کا عنوان ہے : " ایں غزل در لشکرِ احمد شاہ دُرّانی بحسب التمنای ابوالقاسم خاں در تتبعِ نظیری "۔

۱۱۔ بود ہر درد را درماں محی الدّین جیلانی　　کند ہر مشکلے آساں محیّ الدّین جیلانی

کا عنوان ہے :

ایں غزل حسبِ فرمائشِ احمد شاہ دُرِ دُرّانی در موضع جلندھر وِرود یافتہ (ورق ۵۸۹ / الف)

۱۲۔ دیوان میں ایک غزل کے بارے میں میرزا عشق اطلاع دیتے ہیں کہ سپہ سالارِ شاہِ دُرّانی کی فرمائش پر لکھی گئی :

موجودہ شواہد سے اس بات کی صراحت نہیں ہوتی کہ دُرّانی کے لشکر کے ساتھ میرزا کا قیام عارضی تھا، یا وہ ایک سپاہی پیشہ کی حیثیت سے اس کی فوج میں باضابطہ ملازم تھے۔

(۶) میرزا کے تعلقات بہت وسیع تھے۔ ان کے حلقۂ احباب میں ہر طرح کے لوگ تھے۔

راجا مہاراجا ۔ نواب ۔ رؤسا ۔ مشائخ ۔ شعراء سبھی۔ ہندوستان کے طول و عرض میں انھوں نے سیاحت کی تھی ۔ ہر جگہ ان کے دوست اور قدرداں موجود تھے۔ دیوان میں استطراداً جن اصحاب کا ذکر آگیا ہے ان میں کچھ یہ ہیں۔ راقم نے ان مقامات کے نام بھی لکھ دیے ہیں جہاں ان کی ان اصحاب سے ملاقاتیں ہوئیں :

شاہوں میں احمد شاہ دُرّانی (سہرند) ۔ مہا راجا دولت راے (مُرشد آباد) ۔ راجا سُندر سنگھ ۔ راجا رام لوچن (کلکتہ) ۔

امراء میں اشرف الوزراء ولی خاں (دہلی) ۔ سیّد بہرام جنگ عمدۃ الملک (مُرشد آباد) ۔ نواب محمّد اسد اللہ خاں غالب (مُرشد آباد) ۔ داؤد مرزا (مُرشد آباد) ۔ نواب محبّت خاں محبّت (بریلی)۔ نواب علی ابراھیم خاں خلیل (مُرشد آباد)۔ نواب غلام حسین غلام (عظیم آباد) ۔ حاجی محمّد محسن (مُرشد آباد) ۔

مشائخ میں : میرزا مظہر جانِ جاناں (دہلی) ۔ شاہ علی اصغر درویش مودودی (دہلی) ۔ شاہ اسرار (مُرشد آباد) ۔ شاہ رکن الدین عشق (دہلی، عظیم آباد) ۔ شاہ اعزّ الدین (مُرشد آباد)۔

شعراء میں شیخ علی حزیں (بنارس) ۔ سراج الدّین علی خاں آرزو (دہلی) ۔ اشرف علی خاں فغاں (دہلی) ۔ مرزا فاخر مکیں (بنارس) ۔ شاہ قدرت اللہ قدرت دہلوی (مُرشد آباد) ۔ خواجہ امین الدّین امین عظیم آبادی (مُرشد آباد) ۔ نور العین واقف (لکھنؤ ؟) ۔ قزلباش خاں امید (دہلی) ۔ خواجہ عبداللہ تائید عظیم آبادی (مُرشد آباد) ۔ خواجہ محمّد احسن (مرشد آباد) سلیم عظیم آبادی (مُرشد آباد)۔ شاہ عنایت اللہ بیگ ساکن عظیم آبادی (عظیم آباد) ۔ حکیم غلام علی (عظیم آباد) ۔ صانع بلگرامی (فرّخ آباد)۔ سعید اللہ خاں عاشق عظیم آبادی (عظیم آباد) ۔ میر محتشم علی خاں حشمت (دہلی) ۔ میر محمّد حیات حیرت (مُرشد آباد) ۔ مرزا علی قلی ندیم (دہلی)۔ مرزا علی رضا تجلّی (دہلی) ۔ خواجہ عاصم خاں (سراے مغل) ۔ یار علی (مُرشد آباد) ۔ منشی سراج الدّین (عظیم آباد)۔ حافظ حلیم (دہلی)۔ امانت علی امانت (مراد آباد)۔ احسان علی خاں (پیلی بھیت) ۔

(۷) میرزا زین الدّین عشق کی دلچسپی تصوّف سے خاصی گہری رہی ہے ۔ یہ ان کے کلام سے بھی مترشّح ہوتا ہے ۔ دہلی ۔ عظیم آباد ۔ مُرشد آباد وغیرہ کے مشائخ مرزا جانِ جاناں مظہر ۔ شاہ علی اصغر درویش مودودی ۔ شاہ اعزّ الدّین ۔ شاہ اسرار اور شاہ رکن الدّین عشق دہلوی ثم عظیم آبادی سے ان کی عقیدت و نیاز مندی تو اُسی وقت شروع ہوگئی تھی جب وہ دہلی میں قیام پذیر تھے۔ ترکِ وطن کر کے جب میرزا زین الدّین عظیم آباد پہنچے تو وہ برسوں اُن کی خانقاہ

میں ان کے ساتھ مقیم رہے مرزا صاحب جب بھی ان کا ذکر کرتے ہیں تو بڑے احترام سے کرتے ہیں انھیں ایک جگہ " عارف عاشق باتزیین شاہ رکن الدّین عشق " لکھا ہے دوسری جگہ " عاشق عارف باتمکین و شیخ الشیوخ باتزیین شاہ رکن الدّین عشق سلمہٗ " لکھتے ہیں

دیوان کی ردیف ت میں ۱۵ شعروں کی ایک غزل مسلسل ملتی ہے (۲۱۵ / ب - ۲۱۷ / الف) جس کا عنوان ہے " در ذکرِ روح افزاے عارف باتزیین شاہ [رکن] الدّین گفتہ شد " اس کے کچھ شعر یہ ہیں :

چرخ ہمسر نتواں گشت بخاکِ کویت — طینتِ دورِ سیہ کاسۂ داژدون ست
سالک از دیدِ تو دیوانۂ حق می گردد — نگہٗ جذبِ ترا خاصیتِ افیون ست
مستیِ حق ز کلامِ تو رسیدہ ست بمن — نہ چنین ... در معجون ست
فکرتِ تُست کمندے کہ بجلوت گہِ دل — دام پرچیدہ بدستِ او دُرِ مضمون ست
دلکُشا مصرعِ دیوانِ تو باشد قدِ یار — بسکہ طبعت ز لطافت بہ سخن موزون ست
رکنِ دیں آمدہ بُرہانِ طریقِ نبوی — کہ ازو رونقِ سجّادہ بدہر افزون ست
پاک برداشتۂ گردِ ملالِ شہِ دیں — از پےٖ شستنِ دلہا نگہتِ صابون ست
بندہ عشق شد آنکس کہ در آفاق چو من — پاے تا سر تن و جان و دلِ او ممنون ست

لیکن مرزا آزاد منش انسان تھے ، جس طرح وہ کسی کے حلقۂ شاگردی میں داخل نہیں ہوئے اِسی طرح وہ کسی صوفی بزرگ اور حد یہ ہے کہ عقیدت مندی کے باوجود وہ شاہ رکن الدّین عشق کے بھی باضابطہ مرید و مسترشد نہیں بنے۔ کم از کم شعراء کے تذکروں اور خود ان کے دیوان سے ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی ۔ وہ اپنے اس شعر پر عمل کے پابند نظر آتے ہیں :

کار با مدرسہ و خانقہے نیست مرا — بادہ نوشم ہوسِ صحبتِ رنداں دارم

(۸) میرزا زین الدّین عشق کی صرف دو کتابوں کا اب تک علم ہوسکا ہے۔ ایک دیوان فارسی اور دوسرا رسالہ مجمع الابحار۔ دیوان کا ذکر ابھی آتا ہے لیکن پہلے مجمع الابحار کا ذکر ہوجائے۔

۱۔ مجمع الابحار :

مجمع الابحار (مجمع البحور ؟) میں رباعی کے اوزان اور اس کی بحروں سے تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ مُصنّف فنِّ عروض پر بڑی گہری نظر رکھتا تھا۔ اس کا مطالعہ وسیع تھا۔ اس کی

سہاد میں دیوان میں جا بجا ملتی ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ علمِ عروض کے متعدد رسائل اسے حفظ تھے۔ اس کا رسالہ مجمع الابحار تو کہیں محفوظ نہ رہ سکا اور اب تک اس کے کسی نسخے کے وجود کی اطلاع نہیں ۔ لیکن حُسنِ اتّفاق سے میرزا نے اس کا اختصار دیوان کے آخر میں رباعیات کے انتخاب سے پہلے بطور تمہید پیش کر دیا ہے ۔ تمہید ان سطور پر ختم ہوتی ہے :

" خاکسار ، بعونِ قادر اسم ہر بحر مفصّل مطابقِ قاعدۂ عروضیاں دریں
دیوان مرقوم کردہ و در بست و چہار تقطیع قرار دادہ مولوی جامی
رباعیات مشق کردہ و از تغیرّ و تبدیل ہمیں دہ کلمہ بیست و چہار
تقطیع دیگر احداث و در ہر تقطیع رباعی مکمّل بزبانِ فارسی و زبانِ
ہندی اُوردوے معلّٰے پائے تخت شاہ جہاں آباد مشق کردہ امید
داد رسی مشّاقی از سخن سنجانِ انصاف آئینِ دوراں دارد "

اس کے بعد مُصنّف نے اپنی ۲۹۰ رباعیاں اس اہتمام سے درج کی ہیں کہ پہلے بحر کا نام لکھا ہے ، پھر اس کی تقطیع بتائی ہے پھر مثال میں اپنی ایک رباعی لکھی ہے۔ جامی نے مثال کے طور پر جو رباعیاں اپنے رسالے میں لکھی تھیں ان میں چار مصرعوں میں ایک مصرع اپنا رکھا تھا ، زین الدّین عشق نے چار مصرعوں کی مکمل رباعیاں اپنی کہی ہوئی درج کی ہیں۔ یہاں حمد و نعت میں اس کی دو رباعیاں بحر و تقطیع کے التزام کے ساتھ درج کی جاتی ہیں :

" رباعی فی الحمد در بحرِ اخرب مکفوف سالم محذوف مفعول مفاعلن مفاعیلن مفعول

آراستہ ہر طبق ز مولائیِ تُست   در کارِ جہاں ز کار فرمائیِ تُست
برتر ز قیاس با توانائیِ تُست   پیدائش ما دلیلِ پیدائیِ تُست

رباعی فی النعت بحرِ اخرب مقبوض سالم مجدوع : مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع

اے فخرِ رُسُل ترا ز حق شد معراج   نُہ چرخ نمود خاکپایت سرتاج
در ظلّ لوای تُست عالم آباد   بر درگہِ عالیِ تو آدم محتاج

اسی طرح کوئی ہونے چار سو رباعیاں بحر و تقطیع کے اندراج کے ساتھ دیوان کے آخری حصّے میں ملتی ہیں۔ مصنف نے فارسی کے ساتھ اُردو رباعیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہمیں ان کی کوئی اُردو رباعی نہیں ملی نہ دیوان میں نہ کسی تذکرے میں ۔ شاید اصل کتاب مجمع الابحار میں ہو ، ہاں دیوان کے پیشِ نظر نسخے میں دو رباعیاں ایسی ضرور دیکھنے میں آئیں جن میں ہر ایک کا

چوتھا مصرع اُردو میں ہے:

۲۔ دیوانِ فارسی:

دیوانِ فارسی کے صرف ایک نسخے کا اب تک علم ہوسکا ہے اور وہ انگلستان کی جون ریلینڈ لائبریری مانچسٹر میں محفوظ ہے۔ اس کا قدیم شمار نمبر فارسی: ۲۰۰ ہے۔ مخطوطے سے پہلے دو صفحوں میں سے ایک پر مالکِ نسخہ یا کسی کے دستخط تھے جس پر اِس طرح روشنائی پھیری گئی ہے کہ اب الفاظ بالکل نہیں پڑھے جاتے۔ اس صفحے پر کتب خانے کی مطبوعہ فہرست سے (جو اِس قدر نایاب ہے کہ ہندوستان پاکستان یورپ میں کہیں بھی حاصل نہ کرسکا) سات باریک سطروں کی ایک عبارت تراش کر چسپاں کر دی گئی ہے:

مرزا زین الدّین خاں صاحب 207

The Poems of Mirza Zayn-uddin khan
well written in Taaliq, on thin and slightly
silk paper. A very thick 4 to 1390 pp £5 15s. 6d
Presented by him to the Governor General
(Warren Hastings). The circumstance is mentioned
in a note on the fly-leaf at the beginning of the book,
in the hand-writing of Sir W. Jones.

دوسرے صفحے پر سرولیم جونس کے قلم کی حسب ذیل تحریر ہے:

The
Poems
of
Mirza Zain uddin Khan
surnamed Ishk (Love)
presented by him
to the
Governor General Warren Hastings
21 May 1785

سر ورق پر غالباً سر ولیم جونس کے قلم سے £6.6 پونڈ کی رقم لکھی ہوئی ہے۔ مطبوعہ انگریزی فہرست میں تعداد صفحات ۱۳۹۰ کے بعد 6d - 15S - 5£ کی رقم درج ہے۔ چھے گنی اور (تقریباً) چھے پونڈ رقوم کے اندراج کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ دیوان کا یہ نسخہ کتب خانے کے لیے خریدا جاتا تو سمجھا جاتا کہ یہ قیمت اس نسخے کی ہے۔ لیکن ولیم جونس کی تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نسخہ شاعر نے گورنر جنرل کو بطور ارمغان پیش کیا ہے۔ ۲۱ مئی ۱۷۸۵ مطابق ہے ۱۱ رجب ۱۱۹۹ھ کے۔ اس وقت مرزا زین الدّین خاں عشق بنگال (مُرشد آباد کے مقابلے میں کلکتہ زیادہ قرین قیاس ہے) میں موجود تھے۔ یہ جلد بندی کی اُجرت بھی نہیں ہوسکتی کہ یہ رقم زیادہ معلوم ہوتی ہے، پھر دونوں رقوم میں فرق کیوں ہے۔ جلد بندی کی اُجرت کا کیٹلاگ میں اندراج بھی عجیب معلوم ہوتا ہے۔ فہرست نگار تو زمانۂ حال کی خریدی ہوئی کتاب کی قیمت کا بھی ذکر نہیں کرتے۔ دیوانِ عشق راقم کی نظر سے ۱۹۵۵ء میں گزرا ہے۔ اس کی جلد خوبصورت، مضبوط اور پائیدار ہے اور دو سو سال گزرنے پر بھی دیوان کا ایک ایک ورق محفوظ ہے۔ ایک طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ دیوانِ عشق کے مُصنّف کی دعا بھی یہی تھی:

خداوندا بہ بستی جلدِ اوراقِ کتابِ گُل   مکن شیرازۂ دیوانِ عشقِ پاکِ مَن ابتر

دیوان بہت ضخیم ہے اور جہازی تقطیع کے ۱۳۹۰ صفحات پر مشتمل ہر صفحے میں ۱۳ سطریں ہیں کہیں کہیں ۱۲ اور بعض صفحات پر ۱۴ بھی ہیں۔ نسخے کے کچھ صفحات سادہ ملتے ہیں تو مُتعدّد صفحات پر حواشی میں اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ یہ بعد کے اضافات ہیں جو قریب بہ یقین ہے کہ مُصنّف کے کیے ہوئے ہیں۔ ہر صفحے پر ۱۳ شعروں کا اوسط مان لیا جائے تو دیوان میں اشعار کی تعداد ۱۸ ہزار سے زیادہ بنتی ہے۔ دیوان خاصا ضخیم ہے لیکن یہ عشق کے سارے کلام پر حاوی نہیں۔ اپنے معاصر میرزا عنایت اللہ بیگ ساکن عظیم آبادی (متوفی ۱۲۱۱ھ) کے نام ایک منظوم خط میں میرزا عشق لکھتے ہیں کہ میں نے ۸ لاکھ سے زیادہ شعر کہے ہیں لیکن ہجو لکھ کر کسی کا دل زخمی نہیں کیا:

بود از ہشت لک اشعارم افزوں   بہ ہجوِ کس نکردم سینہ پُر خوں

عشق کا ۸ لاکھ شعر کہنے کا دعویٰ غالباً مبالغے پر مبنی نہیں۔ شاعری میں ساٹھ سال کی ریاضت کا ثبوت ان کے دیوان سے ملتا ہے۔

مولیٰ علی کی منقبت میں جو قصیدہ انھوں نے ۱۱۸۹ میں لکھا ہے اس میں یہ شعر دیکھیے:

در مشق شصت سالہ شاہا بر انچہ گفتم مداحی تو کردم طغرای داستانی

وہ مجمع الابحار میں رباعیوں کی تمہید میں لکھتے ہیں : از سنِ تمیز نہ سالگی تا بشصت کہ ۱۱۹۹ھ مبارک ست ... " یہاں ساٹھ سال وہ سہواً لکھ گئے ہیں انھیں اس وقت فکر سخن کو ستّر سال پورے ہوچکے تھے۔ ستّر سال ایک طویل مدت ہے اور جب شاعر زود گو ہو اور دن رات شعر و شاعری میں مستغرق ہو، اس دور خوشحالی و فراغت میں عشق کا پان سات لاکھ شعر کہہ لینا کچھ مستبعد نہیں۔

دیوان کے پیشِ نظر نسخے پر نہ کوئی سر ورق ہے نہ ابتداء میں کوئی مقدّمہ و تمہید۔ یہ خاتمہ و ترقیمہ سے بھی بے نیاز ہے جس سے معلوم ہوسکتا تھا کہ نسخے کی کتابت کس نے کی اور یہ کب کا لکھا ہوا ہے۔ کتابت میں املا کی فاحش غلطیاں ہیں، کچھ یہاں پیش کی جاتی ہیں :

موسا (بجای موسیٰ) ، مبزول (مبذول) ، یسرب و بطحا (یثرب و بطحیٰ) ، مزاق (مذاق)، حمزہ (ھمزہ) ، نصر (نثر : چوں کلکت فقرہ نصری نگارد)، خذف (خزف : خذف اندوختی در خانہ بسیار) ، ماقلہ و دلہ (ماقل و دل)، صواب (ثواب : ملاقاتت صوابست و سعادت)، اولا (اولی)، خنسہ (خنثیٰ) ، طرقی (ترقی) ، صومنات (سومنات)، سعب (صعب)، قائدہ (قاعدہ : برنج قائدہ عروضیان) ، سلہ (صلہ)، ضال دنیا (زال دنیا)، صفاک (سفاک)، طوران (توران) ، اصنای راہ (اثناء راہ .) ، علاہدہ (علیحدہ)، زلالت (ضلالت)۔ ضحافات (زحافات)۔ شاعر عروض کے مسائل سے خاصا واقف ہے، وہ زحافات کو ضحافات نہیں لکھ سکتا۔

املا کے اتنے اور ایسے ایسے اغلاط دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنا دیوان کسی متصدی یا کم سواد نقل نویس سے لکھوایا ہے اور اسے تصحیح کا موقع میسر نہ آیا۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ یہ مصنّف کا ذاتی نسخہ ہے اور برسوں اس کے پاس رہا ہے۔ اس نے اپنے اشعار میں کہیں کہیں ترمیم کی ہے اور مختلف اوقات میں اس نے بیسیوں مقامات پر سادہ اوراق پر یا حواشی میں تازہ غزلیں درج کی ہیں۔ ان تحریروں کا خط کاتب دیوان کے خط سے کچھ مختلف معلوم ہوتا ہے۔ قلم کہیں متوسط ہے کہیں خفی ۔ ہاں قصائد جن سے دیوان شروع ہوتا ہے، اور کچھ اور اوراق مُصنّف کے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ دو چار مقامات پر مصرع اوّل کی جگہ بیاض ہے۔ دوسرا مصرع ہوگیا اسے نقل کر دیا، خیال ہوگا کہ پہلا مصرع کہہ کر شعر پورا کر دیا جائے گا، کسی وجہ سے اس کا موقع نہ مل سکا۔ غزل دلدارمی شوم / دیوارمی شوم (دیوان ص ۴۵۲) میں مقطع کی جگہ بیاض ہے۔ ردیف دال میں ایک جگہ (ص ۳۵۰) عنوان درج ہیں :

غزل در بحرِ ہزج مُثمّن مقبوض مسبع مفاعلن مفاعلن فاعلات این بحر در دیوانہا نایابست " اس کے بعد نسخے میں سات سطروں کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے وہ غزل لکھنے کے لیے ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے غزل کا وہ پرچہ گم ہو گیا اور درج دیوان نہ ہوسکا۔

اوپر ذکر ہوا کہ دیوان میں بعض مقامات پر الفاظ قلمزد کر کے ان کی جگہ دوسرے الفاظ لکھے گئے ہیں۔

۱۔ عرفی کے تتبع میں نعتیہ قصیدے کا ایک شعر ہے

آں ختمِ رُسُل دبدبہ افزود حشم را　　بر عرشِ مُعلّیٰ زدہ در قرب علم را

" آں ختمِ رُسُل " کو شاعر نے نظرِ ثانی کے وقت " محبوبِ خدا " بنا دیا ہے

۲۔ قصیدۂ میمیہ در حمد و نعت و منقبت کا ایک شعر ہے :

طائران چرخ پرواز ہوائے را دراں　　سر بسر در ماندہ و حیران و بے پر یا فتم

" ہوائے را دراں " کو " ہوا را بر درش " کر دیا ہے۔

۳۔ حق را بہ کائنات مُقدّم شناختی　　بگرفت زہرہ برفلک از مہر و ماہ دف

پہلا مصرع مسترد کر کے اس کی جگہ : " تا کوسِ جانشینیِ احمد نواختی " لکھ دیا ہے

۴۔ غزل کا ایک مطلع تھا :

ناتواں صیدم و ترسم چو کند یاد مرا　　شاید آشفتہ ز کُنجِ قفس آزاد مرا

پورا شعر قلمزد کر کے یہ شعر لکھ دیا ہے :

صید خود کردہ رہن ساختہ صیاد مرا　　ناتواں دیدہ مبادا کُند آزاد مرا

۵۔ دو چارت گر شود اے عشق آں دلدارِ بے پروا　　ز دستِ خویشتن بگذار دامانِ تغافل را

نشان زدہ الفاظ کو " زدستِ آرزد گلزار " میں تبدیل کر دیا ہے

۶۔ ہر کہ بیند حسنِ بازاری بقولِ صائبا　　عشق از بے باکیش ... ی شود

اب یہ شعر قلمزد ہو کر یوں ہو گیا ہے :

عشق منکر حُسنِ بازاری بقول صائبا　　بوی خوں می آید از تیغے کہ عُریاں میشود

۷۔ خجالتہا زجسم لاغر و پُر استخواں دارم　　فزود از داغہای سینۂ من اعتبار من

دوسرا مصرع اصلاح کے بعد یوں ہوگیا ہے :

"کہ پیکانش نشد آلودہ از مشتِ غبارِ من"

۸۔ تو فریبِ آئینہ را مخور اے بکار خود سر بدلم ... کہ دادہ بہ تجلّی صفائی

دوسرے مصرع میں شاعر نے ترمیم کر کے اب یوں کر دیا ہے : "کہ دلم زیادہ دادہ"

شاعر نے ردیف نون کی ایک غزل کو ثرمن / لشکر من (ص ۱۴، ۱۵) کے کئی شعر نظری کر دیے ہیں

(۹)۔ دیوانِ عشق میں پچاسیوں ایسی غزلیں ملتی ہیں جن کے بارے میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ غزل کس شاعر کے تتبع میں لکھی گئی ہے۔ یہاں کچھ شعراء کے نام لکھے جاتے ہیں۔ اس فہرست سے اندازہ ہوسکے گا کہ مرزا عشق کے پسندیدہ شعراء کون کون ہیں۔ قوسین میں میں نے سنین درج کر دیے ہیں جن سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ... کب لکھی گئی۔

غزل در تتبّعِ صائب علیہ الرّحمتہ (۱۱۵۶ ، ۱۱۶۵ ، ۱۱۷۶ ، ۱۱۸۳ ، ۱۱۸۶ ،) در محفلِ اسد اللہ خاں غالب (۱۱۹۱ ، ۱۱۹۳)۔ در تتبّعِ جمہور شعراء ، استاوانِ مُتوسّطین، مشّاقانِ افصح ، در تتبّعِ سلیم (۱۱۷۶ ، ۱۱۸۹) ، شوکت بخاری ، (۱۱۶۶ ، ۱۱۸۹) اہلی شیرازی (۱۱۸۳ ، ۱۱۹۷) ، (۱۱۸۹ ، ۱۱۹۱) خواجہ آصفی (۱۱۹۱) شفائی (۱۱۶۹ ، ۱۱۸۳) (۱۱۸۳) ، (۱۱۹۱) ، کمال خجندی (۱۱۸۱) ، فرح اللہ عرب (۱۱۵۵) ، طاہر غنی (۱۱۸۶) ، فغانی (۱۱۷۶) ، (۱۱۸۶) ، (۱۱۸۹) ، (۱۱۹۱) ، نظیری (۱۱۶۹) ، (۱۱۹۲) ، حافظ (۱۱۶۶) ، (۱۱۸۷) ، (۱۱۹۷) ، طالب کلیم (۱۱۷۶) ، (۱۱۸۸) ، طالب آملی (۱۱۷۶) ، (۱۱۸۲) ، خواجہ آصفی (در عظیم آباد) (۱۱۹۱) ، قُدسی (۱۱۸۹) ، خسرو (۱۱۹۵) ، قزلباش خاں امید (۱۱۵۵) ۔

ان کے علاوہ حسب ذیل شعراء کے تتبّع میں عشق کی غزلیں ملتی ہیں :

غنی کاشمیری ، فیضی ، ناصر علی ، حیرت ، مرزا بیدل ، حکیم رُکنا کاشی ، علی قلی خاں والہ ، سعدی ، علی رضای تجلّی ، رومی ، عرفی ، میر حشمت علی خاں شاہجہان آبادی ، حزیں ، نظام الملک آصف جاہ ، مرتضیٰ قلی بیگ فراق شاہجہاں آبادی، ظہیر فاریابی، ضمیری، کلیم ، شہرت ، نواب زاہد علی خاں سخا ، نعیمی (ایں غزل بر غزل مشہور نعیمی بر سر مجلس بداہستہً نزول یافتہ :

جان و دلم ربود و ادا را بہانہ ساخت خاکم بباد داد و صبا را بہانہ ساخت

تقلید و اتباع صحیح معنوں میں ایک دو شاعر کی کی جاسکتی ہے ، چالیس پچاس شعراء کی نہیں ۔ عشق کی مراد تتبّع سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان شعراء کی زمینوں میں انھی قوافی و

ردیف میں غزلیں کہی ہیں:

(۱۰) کلّیاتِ عشق کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر جہانیاں جہاں گشت تھا۔ پورے ہندوستان کے طول و عرض میں گھومتا پھرتا تھا اور آج کل کی اصطلاح میں "مشاعرے پڑھتا" رہتا تھا۔ وہ غزلوں کے اندراج سے پہلے عام طور پر لکھتا ہے کہ اس نے یہ غزل کس شہر کے مشاعرے یا ادبی محفل میں پڑھی۔ ان کے نام درج کیے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ غزل کب لکھی اور ان شہروں میں وہ کب گیا:

مُرشد آباد ۱۱۹۱ (در محفلِ اسد اللہ غالب)، مقصود آباد غالباً مرشد آباد کا کوئی علاقہ جہاں علی ابراہیم خان خلیل مُتمکّن تھے) ۱۱۹۴، ۱۱۹۲، ۱۱۹۴، ۱۱۹۷، موضع عطر چھندی (از پرگنہ) آنولہ (۱۱۸۱) پرگنہ حصار ۱۱۷۶ شاہ جہاں آباد ۱۱۳۱، ۱۱۳۶، ۱۱۳۵، ۱۱۵۸، ۱۱۵۶، ۱۱۶۹، ۱۱۶۱، سامانہ ۱۱۷۴، سھرند (سر ہند) ۱۱۵۸، ۱۱۶۱، ۱۱۶۸، انبالہ، کیتھل ۱۱۱۸۸، ۱۱۸۹، پیلی بھیت، سرائے مغول (؟) موضع سردلی ۱۱۸۵، عظیم آباد ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، پٹنہ ۱۱۶۹، کرنال ۱۱۲۱، پانی پت، میرٹھ، بسولی، لکھنؤ (۲۰)، ۱۱۸۹، جلندھر (جالندھر) در لشکرِ احمد شاہ درّانی۔ اِٹاوہ، بنگلہ (فیض آباد کا قدیم نام) / کوہ تسام (ایک مقام پر قصبہ تسام ۱۱۸۱، راج محل، کلکتہ (۱۱۹۷) بانس بریلی ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، انوپ شہر، خرجہ (جواب خورجہ کہلاتا ہے، علی گڑھ غازی آباد کے درمیان ایک قدیم قصبہ) مراد آباد، جلال آباد (در لشکرِ احمد شاہ دُرِّ درّانی) پورنیہ، فتح آباد، سرسہ، بنّور، فرخ آباد، سیف آباد، مسروری (مسوری ؟) درشکار، جون پور، بنارس، شاہ جہاں پور، علی نگر، نگینہ، دھام پور، دارا نگر، اسلام آباد، حافظ آباد، دریا باد، موضع کہرام، نجیب آباد، مقام لودھنا (لودھیانہ ؟) سرائے مغّل (مغل سرائے ؟) بن گھر (بلشکرِ محمدّ شاہ در سفر بن کھر نزول یافتہ، یہ "بن گھر" ممکن ہے وہ مقام ہو جو "بن گڑھ" کہلاتا ہے، روہیلوں کی تاریخ میں یہ نام آتا ہے۔

۱۱۔ دیوانِ عشق کی ایک انفرادیت یہ بھی نظر آئی کہ پچاسوں غزلوں کے بارے میں شاعر کی صراحت ملتی ہے کہ یہ غزل کس کی فرمایش پر یا کس موقع پر لکھی گئی۔ اس کے لیے وہ حسب الاستدعاء، حسب الایماء، حسبِ فرمایش، حسب خواہش، بپاس خاطر، باستدعای فلاں کے کلمات لکھتا ہے:

یہاں فرمایش کرنے والوں کے نام درج کیے جاتے ہیں، استیعاب کی کوشش نہیں کی گئی ہے، لیکن خیال ہے کہ تقریباً سارے نام آگئے ہیں۔ جن اصحاب کے حالات کتبِ تذکرہ و تاریخ میں مل جاتے ہیں ان کے نام پر ستارے کا نشان بنا دیا گیا ہے۔

☆ شیخ محمّد علی حزیں مرحوم ۰ ☆ احمد شاہ دُرِّ درّانی (در سہرند) ۰ ☆ عارف عاشق باتزیین شاہ رکن الدّین [عشق] سلمہ (در عظیم آباد ۱۱۹۱ ۰ ۱۱۹۴ ۰ ۱۱۹۵ ۰ ☆ مرزا جان جانان مظہر مرحوم (شاہجہاں آباد) ۰ مرزا نجیب اللہ رغبت (در شاہجہاں آباد) ۰ حقائق معارف آگاہ سیّد شاہ علی اصغر درویش مودودی مرحوم (شاہجہاں آباد) ۰ ☆ نواب اعزّخاں دیدہ مغل مرحوم(۲۱) ۰ خواجہ عاصم خاں مرحوم ۰ محمّد امین خاں (پرگنہ حصار) ۰ شہامت خاں (در آنولہ ۱۱۸۵ ھ) ۰ ☆ نواب محبّت خاں (بریلی ۱۱۸۵ھ) ۰ ☆ شاہ محمّد پناہ قابل (شاہجہاں آباد) ☆ قزلباش خاں امید مرحوم (شاہجہاں آباد ۱۱۵۵ھ) ۰ ☆ سراج الدّین علی خاں آرزو ۰ خلیفہ فیض اللہ بیگ آرام مرحوم ۰ ☆ میر محتشم علی خاں حشمت ۰ احسان علی خاں سلمہٗ (پیلی بھیت) ۰ خلیفہ فرمان بیگ ۰ ☆ مرزا فاخر مکین (لکھنؤ) ☆ میرزا مرتضیٰ قلی بیگ فراق (شاہجہاں آباد) ۰ حکیم غلام علی (عظیم آباد ۱۱۹۲ھ)۰ ہمّت خاں (عظیم آباد) ۰ میر محمّد حیات حیرت (مُرشد آباد) ۰ شیخ ابوالفتح نار نولی مرحوم (پیلی بھیت) ۰ شاگرد رشید خلیفہ محمّد انور (لکھنؤ) ۰ میر خواجہ محمود جان مرحوم ۰ کاظم جنگ شیدا (بریلی) ☆ مرزا علی قلی ندیم ☆ مرزا اشرف علی خاں فغاں (شاہجہاں آباد) ۰ احمد خاں پسر ملّا شفیع ؟ مرحوم کہ عزیز دلہا بود) ۰ ☆ مرزا علی رضا تجلّی (شاہجہاں آباد) ۰ ☆ خواجہ امین (مُرشد آباد میں نواب علی ابراہیم خاں خلیل کی مجلس میں یہ غزل لکھی گئی ہے' اس لیے یقین ہے کہ یہ خواجہ امین الدّین امین عظیم آبادی متوفی ۰ ۱۱۹۹ھ ہوں گے) ☆ خادم حسین خاں (عظیم آباد) ۰ ☆ سعید اللہ خاں عاشق عظیم آبادی (در عظیم آباد ۰ نزول یافتہ)۔ عزیز دلہا لو مہات ؟ [بابو مہتاب] راے (مُرشد آباد) ۰ ☆ نور العین واقف (لکھنؤ ؟) شاہ اسرار سلمہٗ (مُرشد آباد) ۰ اشرف الوزراء شاہ ولی خاں ۰ خلف الرشید میر یعقوب علی جوہر (کلکتہ ۱۱۹۰ھ) ۰ خواجہ عاصم خاں مرحوم (در سراے مغل) (ممکن ہے یہاں شمالی ھند کا مشہور ریلوے جنکشن مغل سراے مراد ہو) ۰ ☆ خواجہ عبداللہ تائید عظیم آبادی (مُرشد آباد ۱۱۹۴ھ) قاسم بیگ ۰ قاسم خاں :

بگفتم بے تأمّل ایں غزل در بزمِ قاسم خاں   بفرمود از چراغِ دل ... کنول روشن

—— عزیزی ممتحن الشعر (پاۓ تخت دہلی) ۰ راجا دولت راے و بابو مہتاب راے (مُرشد آباد) ۰ منشی سراج الدّین (عظیم آباد) ۰ راجا رام لوچن (کلکتہ) ۰ مرزا امانت علی امانت (مراد آباد) ۰ در مجلسِ محقّقان خلیفہ ابراہیم و میر ولایت اللہ خاں (مُرشد آباد) ۰ [ایک جگہ خلیفہ ابراہیم کو محقّقِ بے بدل خلیفہ ابراہیم مرحوم لکھا ہے] نواب بہرام جنگ عمدۃ الملک (مراد آباد) ۰ سردارِ سرداران سپہ سالارِ شاہِ درّانی (جلندھر) ۰ میر علی نقی رضوی کتاب خواں امام مُرشد آباد (مُرشد

آباد)۔ میر ولایت مرحوم ؟

ان ۵۵ اصحاب میں مُتعدّد ایسے ہیں جن سے راقم واقف نہیں، مشہور تذکروں اور کتبِ تاریخ میں ان کا ذکر نہیں مل سکا۔ تلاش جاری ہے۔

○

کلّیاتِ عشق خود شاعر کا مُرتّب کردہ ہے۔ اس کا یہ انداز دلچسپ، مفید اور منفرد پایا کہ وہ اپنے قصاید و قطعات و غزلیات وغیرہ نقل کرنے سے پہلے یہ لکھتا ہے کہ یہ اشعار کس شاعر یا کن شعراء کے تتبّع میں لکھے گئے ہیں، کون سی بحر ہے اور اس کی تقطیع کیا ہے۔ کہیں کہیں یہ ذکر بھی ملتا ہے کہ یہ اشعار کب اور کس کی فرمایش سے کس مقام پر اور کس مشاعرے کے لیے لکھے گئے۔ بعض مقامات پر اندراجات مختصر ملتے ہیں اور جہاں نہیں ملتے وہاں پیش نظر نسخے میں ایک سطر سادی چھوڑ دی گئی ہے۔ خیال ہوگا کہ یہاں کچھ لکھا جائے گا لیکن اس کا موقع نہیں ملا۔ فارسی کے کسی شاعر نے اپنے دیوان یا کلّیات میں شاید ہی اتنے مفید معلومات جمع کیے ہوں جتنا کلّیاتِ عشق میں ملتے ہیں اس لحاظ سے اس کی اہمیّت ظاہر ہے۔

کلّیات میں جہاں بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم درج ہے وہاں: "رہبرِ عشق ست بطبعِ سلیم" لکھ کر شعر مکمل کر دیا گیا ہے۔

کلّیات کی ابتداء قصائد سے ہوتی ہے۔ پہلا قصیدہ نقل کرنے سے پہلے نثر کی حسب ذیل عبارت ملتی ہے:

۱۔ قصیدہ در تتبّع مولانا احمد زندہ فیل جامی، معانقی و خواجہ شمس الدّین محمّد حافظ شیرازی غیب اللسان و شاہ رکن عالم در صنعتِ مُسجّع در بحرِ رجز مُثمّن سالم، تقطیش:
مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن

یہ قصیدہ ۸۱ اشعار پر مشتمل ہے، ۲۳ شعر حمد میں ہیں ۳۳ نعت میں اور بقیہ ۲۵ مناقب میں ہیں۔ ابتداء اس شعر سے ہوتی ہے:

اے قادرِ قدرت نما، وے صانعِ ارض و سما　　قفلِ دلِ من بر کُشا، من گو ثمت حمد و ثنا (۸۱ شعر)

۲۔ قصیدہ فی المناقب در تتبّع عرفی شیرازی، در بحرِ ہزج مثمّن اخرب مکفوف محذوف ست۔
تقطیش: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

آہم چو برافراشت در آفاق علم را　　گردید ستون خیمۂ افلاک دِژم را (۸۰ شعر)

۳۔ قصیدہ در تتبّع خاقانی و انوری مسمّیٰ بہ گلدستۂ معانی در بحرِ رمل مُثمّن اخرب مقصور مکفوف
تقطیع، مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

پیکانِ آبدارِ تو چوں دانۂ انار ۔۔۔ ہر قطرہ خونِ دل برد از سینہ بے شمار (۱۶۳ شعر)

آخری چار شعر یہ ہیں: چوتھے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ ۱۱۹۰ ہجری میں رقم ہوا ہے:

اے عشق این قصیدۂ نازک خرام من ۔۔۔ چوں دستۂ گل ست فرستادۂ بہار

گلدستۂ معانیِ عشق ست نام او ۔۔۔ باشد کہ رفتہ رفتہ رود اصفہاں دیار

دارم توقعے کہ بہ بینند اہلِ دل ۔۔۔ از چشمِ عیب پوش ہنر بینِ پردہ دار

در یکہزار و یکصد و ہفتاد و بست و ہفت ۔۔۔ از کلکِ من رقم شدہ اینِ نظمِ آبدار

۴۔ قصیدہ در ذکرِ اطوارِ زمانہ و مناقبِ عالی متعالی صاحبِ امر۔ در بحرِ ہزج مسدس محذوف
تقطیع: مفاعیلن مفاعیلن فعولن

طلسماتیست در ایں پیکرِ گل ۔۔۔ کہ در ادراکِ او حق است حاصل (۸۸ شعر)

اس قصیدے سے شاعر کے عہد کی معاشرت پر روشنی پڑتی ہے۔ کچھ شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

زمامِ ملک نادانان ربودند ۔۔۔ ہر آنکس بود دانا گشت عاطل

رسومِ عام خاصاں برگزیدند ۔۔۔ شد آثارِ قیامت جملہ نازل

فقیہ و اہلِ علم و سیّد و شیخ ۔۔۔ بنانِ خشک شد محتاج و بیدل

نصاریٰ و یہود و مردِ ملحد ۔۔۔ کند تحقیرِ علم و فضلِ فاضل

چوں ہستم سیّد و شاعر، ازیں وجہ ۔۔۔ مرا ایں قوم جاہل

بہ از اشراف خود را می شناسد ۔۔۔ جولاہ و کفش دوز و مرد ناقل ...

ز اہلِ علمِ ایں دوراں چہ پرسی ۔۔۔ نخواندہ کس بجز مفعول و فاعل

فقیہ و مفتی و قاضیِ ایں دور ۔۔۔ نداند فقہ و احکامِ مسائل

طریقِ دین نہ پرسد کس ز عالم ۔۔۔ دہد فتویٰ بکارِ شرع، جاہل

قیامت عنقریب آمد کہ در دیر　　سر و بر کردہ می بینم اراذل

الا اے عشق اگر گردوں بہ پیکار　　بروبت فوجِ غم کردہ مقابل

شکیبائی مدہ از دست زنہار　　بامّیدِ محمدؐ کن قوی دل

درین دوران بروحِ صاحب امر　　رجوعے کن بجاں گردیدہ مائل

فسہّل یا الٰہی کل صعب　　بحرمت سیّدِ الابرار سہّل

۵۔ قصیدہ فی المناقب: در بحر رمل مثمّن اخرب تقطیع: مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

یا مظہر العجائب شہبازِ لامکانی　　در قافِ قرب قائم مافوقِ آسمانی (۲۲۵ شعر)

یہ قصیدہ مولیٰ علی کی منقبت میں ہے اور خوب ہے:

مشکل کشا ست نامت یا حیدرِ غضنفر　　داری نہ بس مروّت حامیؐ بے کسانی

آخری شعروں سے مستفاد ہوتا ہے کہ ۲۲۵ شعروں کا یہ قصیدہ ۱۱۸۹ھ میں لکھا گیا ہے جب شاعر کی مشقِ سخن کو ساٹھ سال پورے ہوچکے تھے۔ عشق کی شاعری کا آغاز تقریبا ۱۱۳۰ھ میں ہوا ہوگا۔

۶۔ قصیدہ در حمد و نعت و مناقب در بحرِ رمل مُثمّن مقصور (۲۲) تقطیع: فاعلاتن فاعلن فاعلاتن فاعلات

می سرایم حمدِ حیِّ قادرِ پروردگار　　آنکہ دادہ در دل ہر واحد از قدرت گزار (۱۲۳ شعر)

۷۔ قصیدہ مُسمّی بہ بحرِ عرفان، دربیان رویّہ اصطلاح بُت پرستان و اظہار شان صمدیّت و شکوہِ اسلامِ حقیقی، در بحرِ رمل مُثمّن مقصور۔ تقطیع بر نہج قائدہ (قاعدہ) عروضیان: فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

می گذشتم بر درِ بتخانۂ در رہ گزار　　اتفاقاً شد برہمن زادۂ بامن دو چار (۱۴۴ شعر)

آخری دو شعروں سے قصیدے کے نام کی توثیق ہوتی ہے اور یہ اطلاع ملتی ہے کہ اس کا سالِ تصنیف ۱۱۷۵ھ ہے۔

ایں قصیدہ "بحرِ عرفان" نام دارد در سلوک　　غوطہ اینجا ہر کہ زد ہرگز نیاید برکنار

دو ہزار و یکصد و ہفتاد و پنج ایں ارمغان　　کلکِ من آورد از عرشِ معلّیٰ یادگار

۸۔ قصیدہ فی المناقب (۲۳) در بحرِ رمل مُثمّن محذوف تقطیع: فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

داد از بیدادِ گردوں یا علیؑ مرتضیٰ　　مشکلم بکشاے از سر پنجۂ مشکل کشا (۸۱ شعر)

۹۔ اس کے بعد کا ورق یا اوراق غائب ہیں جہاں سے قصیدۂ نہم کا آغاز ہوتا ہے۔ قصیدے کے آخری سات شعر محفوظ رہ گئے ہیں، دو شعر یہ ہیں:

ز روے باطن شدہ ست مشتق کشودہ چشمے اویسِ تو
کہ در دلِ او مشاہدہ شد ظہورِ حشمت بصورتِ جاں (۷ شعر)

یقین کہ قرنے دمِ نہایت زند بدنیا مسیح از وے
ز بعدِ او ہم خلیفۂ او چہار باشد بدورِ امکاں

۱۰۔ ایں قصیدہ در تتبّع جمہور شعراء بحمد و نعت و مناقب بموجب اصطلاحِ علمائے راسخین نزول یافتہ در بحرِ رمل مثمّن محذوف تقطیعش: فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن در ۱۱۰۰ھ

آگہی از کُنہِ ذاتِ خویش اے مولاے من　　ظاہر و باطن توئی گنجینہ سر تا پاے من (۱۵ شعر)

۱۱۔ قصیدہ فی النعت در بحرِ رمل مثمّن محذوف [تقطیعش:]فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

خواستم موزوں کنم آبے بہنگامِ سحر　　سر کشید از جویبارِ خامہ امواجِ گہر (۷۰ شعر)

۱۲۔ قصیدۂ عاشقانہ قطعہ بند در بحرِ ہزج مُسدّس اخرب مقبوض [تقطیعش:] مفعول مفاعلن فعولن

خواند از رقمِ چو یار مطلب　　چندیں عرض و ہزار مطلب (۶۵ شعر)

۱۳۔ قصیدہ فی المناقب یسمیٰ (کذا) بفتحِ بابِ حیدری در بحرِ رجز مثمّن سالم: مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن

قربانِ نامت یا علی یا حیدرِ مُشکل کُشا　　دستِ کرم از آستیں برکش بحقِّ مصطفےٰ (۱۳۴ شعر)

۱۴۔ قصیدہ فی المناقب در بحرِ رمل مثمّن اشتر در ۱۱۹۵ھ نزول یافتہ [تقطیعش:] فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

یا علی شاہ ولایت راز دانِ مُرسلین　　از براے اُمّتی بعد از محمدؐ جانشین (۱۱۶ شعر)

۱۵۔ قصیدہ یسمیٰ (کذا) بہ گلزارِ ولایت فی المناقب در بحرِ ہزج مُثمّن اخرب مکفوف مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیلن

از روزِ ازل محرمِ اسرارِ علی بود　　پیش از ہمہ احمدِ مختار، علی بود (۱۱۵ شعر)

قصیدے کے چند آخری شعر:

این طرفہ قصیدہ ست کہ ابیاتِ کلامش ... از اوّل و آخر ہمہ بشمار علی بود
گلزارِ ولایت بود اسمش کہ سراپا ... مسطور بہر حجّت و تکرار علی بود
کوسِ لمن الملک زند صیت کلامم ... ممدوحِ من از فکرتِ اشعار علی بود
دریای محیطے شدہ طبعم ز روانی ... اے عشق مرا وسعتِ گفتارِ علی بود

۱۶۔ قصیدہ تین (قصیدتین؟) عجیب البیان و غریب اللسان بصورتِ ذوالفقار مبارک بتایید رحمٰن و استمدادِ ارواحِ طیبّ شاہ مردان بروس ممتنع و بُرہان قاطع سخنوری در عرصۂ ظہور متجلّی گردیدہ۔ چند بیت مثنوی در شرحِ تصریح آں اوّل نگاشتہ تا دقیقہ شناسان از کیفیّتِ آں آگاہ شوند:

این رقیمہ نام دارد ذوالفقار ... شد دُرو از عونِ حیدر کارزار

۳۴ شعروں کے بعد عنوان درج ہے: خطاب با ثواب (صواب ؟) بہ سایر اہلِ دید و ماہرِ علم و عرفان از آگاہیِ این کلام عجیب البیان

الا [اے] اہلِ دید و علم و ادراک ... محبّ اہلِ بیتِ شاہِ لولاک

۱۸ شعروں کے بعد عنوان: در بیان مہر جعفری کہ تعلّق باابیات حمد کہ دریں قصیدہ تین ست ... پھر شرحِ مہرِ جعفری میں ایک صفحے کی نثری عبارت ہے جس میں فال نکالنے اور استخارہ کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اس سے قبل کے صفحے پر ۱۴۴ خانے بنے ہوئے ہیں لیکن یہ سادہ رہ گئے ہیں۔ غالباً اُن پر ۱۴۴ اسمای الٰہی لکھے جانے تھے لیکن اس کا موقع شاعر کو نہ مل سکا۔ اس کے بعد مطلعِ اولیٰ در بحرِ سریع مسبّب مسدّس۔ تقطیعش: مفتعلن مفتعلن فاعلات

حمد سرایم بخدای کریم ... گویم [این] توحید الٰہ الکریم

۱۷۔ قصیدۂ شاعرانہ بروشِ ممتنع الجواب در صنعتِ لفّ و نشرِ مُرتّب در بحرِ ہزج مثمّن سالم۔ تقطیعش: مفاعلین مفاعلین مفاعلین مفاعیلن

بود یارت محمدؐ با مسیح و خضر و اِسکندر ... یکے کافی یکے شافی یکے حامی یکے یاور (۶۰ شعر)
تمدّت انبیاء و اولیاء و عاشق و عارف ... یکے پیدا یکے پنہاں یکے باطن یکے اظہر
بفرق و سینہ و پشت و شکم خواہم رقیبت را ... یکے گرز و یکے تیر و یکے تیغ و یکے خنجر
ترا اقبال و دولت جاہ و رفعت تا ابد باشد ... یکے مونس یکے خادم یکے ہمدم یکے چاکر

بطبع و دانش و تدبیر و راے عشق می نازد   یکے دانا یکے مُنصِف یکے عالم یکے سَروَر (۲۴)

۱۸۔ قصیدہ فی النعت در بحرِ رمل مثمّن مخبون مُسبّغ : فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

آنکہ کن گفت و جہاں را بہ سخن احیا کرد   شیرِ معنی بنیستانِ سخن پیدا کرد (۱۱ شعر)

۱۹۔ قصیدہ فی الحمد و نعت و مناقب (کذا) در بحرِ رمل مثمّن اشتر : فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

تا ظہورِ ہستیِ کون و مکاں دریافتم   ہرچہ دیدم صنعتِ اللہ اکبر یافتم (۲۰ شعر)

۲۰۔ قصیدہ و قطعہ بند بردشِ مستانہ و عاشقانہ شگفتہ و دِلکُشا در بحرِ متدارک مثمّن سالم :
فعولن فعولن فعولن فعولن

خدارا بمیخانہ مستاں خدارا   بگویند آن ساقیِ باصفا را (۶۰ شعر)

۲۱۔ قصیدہ مشعر برفعِ مناقشۂ سُنّی و شیعہ و استحقاقِ صراط المستقیم سلوکِ دینِ محمدیؐ
در بحرِ رمل مخبون مقطوع : تقطیعش : فاعلاتن مفاعلن فعلن

ہر کہ با دین دل آشنا نکند   راضی از خویشتن خدا نکند (۱۵ شعر)

کلّیات میں قصائد ۲۱ ہیں، سب حمد و نعت و منقبت میں ہیں ۔ کسی امیر و رئیس کی مدح میں کوئی قصیدہ نہیں ملتا۔

ترجیع بند صرف ایک ہے، یہ سات بندوں پر مشتمل ہے۔ عنوان : ترجیع بند (کذا) در مرثیۂ جانگداز جناب مُقدّس سیّد الشہدا صلّو (کذا) علی نبینا و علی واخی و علیہ واولادہ الطاہرین۔
در بحرِ ہزج مثمّن مقبوض مخبون : مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

مُحرّم آمد و برخواست شور واویلا   قیامتے ست کہ ہر سال می شود پیدا (۶۹ شعر)

اب نوحوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ۱۔ مظلوم حسینا ، معصوم حسینا (۱۰ شعر)۔ یہ بعد کو دوسرے قلم سے حاشیے پر درج کیا گیا ہے۔ ۲۔ نوحۂ حضرت امام محمدؐ قاسم (۱۵ شعر) ۳۔ نوحۂ پسران حضرت مُسلم بن عقیل (۱۶ شعر) ۴۔ نوحۂ حضرتِ علی اکبر (۱۷ شعر)۔ ۵۔ نوحۂ حضرت علی اصغر (۱۷ شعر) ۶۔ غزل فی النعت والمناقب اثنا عشر (کذا) (۹ شعر) در شاجہاں آباد نزول یافتہ ۷۔ روایتِ وقائع کہ در زمانِ موسیٰ علیہ السلام بتقریبِ سیّد الشہدا اظہار شدہ بود :

روایت ست کہ ہر طور قاضی الحاجات   چنیں بگفت بموسیٰ علیہم الصلوات (۱۱۶ شعر)

اب صرف اشعار درج ہیں۔ عنوانات لکھنے کے لیے ہر جگہ ایک سطر سادہ چھوڑ دی گئی ہے :

۸۔ روشن جہاں ز پرتوِ بوہر کسند علی — ہر ذرہ آفتاب منور کسند علی (۸ شعر)
۹۔ بکشا گرہ از کارِ من یا حضرتِ مشکل کشا — باش از کرم غمخوارِ من یا حضرتِ مشکل کشا (۷ شعر)

۱۰۔ از مدحِ مرتضیٰ بخدا راہ یافتم — در بیشۂ قلم اسد اللہ یافتم (۲۲ شعر)

۱۱۔ کوسِ مداحی بشان مرتضیٰ باید زدن — پاک باید کرد دل دم باصفا باید زدن (۴۰ شعر)

۱۲۔ یا علی واقفِ اسرارِ نہانِ ہمۂ — جانِ من باد نثارِ تو کہ جانِ ہمۂ (۷ شعر)

۱۳۔ یا ولیِ حضرتِ حق زندہ پیرِ من توئی — یا علی شاہِ ولایت دستگیرِ من توئی (۴۴ شعر)

۱۴۔ علیِ مرتضیٰ اے خوش لقبی — محرمِ ذاتِ بے نشاں ربّی (۳۶ شعر)

۱۵۔ گردونِ سفلہ پرور با نیزہ در کمین ست — یا مظہر العجائب وقتِ مدد ہمین ست (۴۳ شعر)

۱۶۔ مانندِ ذاتِ عالیِ تو یا شہِ نجف — گوہر برون نیامدہ از کان نہ از صدف (۱۷ شعر)

دیوان میں نوحوں کے بعد قطعات درج ہیں : [ما 102 ب]

قطعہ ۱۔ توئی نو گلِ باغِ ایں بوستاں — منم بلبلِ مست رطب اللسان (۷ شعر)

سات شعروں کا یہ قطعہ کس کے بارے میں لکھا گیا ہے معلوم نہ ہوسکا۔ اپنے عہد کے کسی رئیس سے خطاب ہے شاعر جس کا ہم نشیں تھا۔ آخری چار شعر یہ ہیں :

تو سرداری و صاحبِ جوہری — مداں ہم نشینِ من سرسری
مرا خسروان و رئیساں تمام — لقب کردہ ز انصاف ، شیریں کلام
مرا داد حق دولتِ بے زوال — بود خامہ ام طوطیِ خوش مقال
ترا علمِ مجلس بود گر ہوس — بافصح بیانیِ تکلم برس

قطعہ ۲۔ چار شعروں کا ایک قطعۂ تاریخ نوّاب مظفر جنگ کی خلعت پوشی کے موقع پر لکھا گیا ہے۔ خان خانانِ مظفر جنگ عالی مرتبت — خلعتے پوشید از امدادِ اللہِ مجید

قطعہ ۳۔ ذیل کا ہجو یہ قطعہ خان عبداللہ کی تعمیر کردہ مسجد کے بارے میں ہے (م 105 ب)

خانِ عبداللہِ صاحب توفیق — مردِ اعراقی و خوش آئین ست
خشت دزدے ز مقابر بگرفت — مسجدے ساخت بر آن تحسین ست
بہر یاد آوریش در آفاق — سالِ تاریخِ بنا رنگین ست

گفت ہاتف کہ ز روئے تحقیق — مسجدِ عملۂ دزدی این ست

قطعہ ۴۔ یہ قطعہ کسی مُلّا صالح کے تصنیف کردہ ایک رسالے کے بارے میں ہے (۱۱۰۳ھ)

داشت مُلّا صالح از بس جہل کز روئے ریا — بعدِ رحلت کرد با آں سیّدِ مرحوم کد (۸ شعر)

رفت از بنگالہ در کلکتہ و آنگہ آن عزیز — سعیِ بیجا کرد و ماندہ پائے خود بیروں ز حد

معلوم نہیں یہ سیّدِ مرحوم کون تھے۔ اس قطعے کے کچھ کلمات اور فقرے یہ ہیں:

"ضد بسیّد داشت" "داد ترتیبِ رسالہ" "بود بے املاء و انشاء، نثرِ نا مربوط" آخری تین شعر یہ ہیں:

شیعہ گفتی خویش را لیکن لسانِ خارجی — مجتہدان آنچہ "بہ" گفتند آن فرمود "بد"

بابداں گروید و از نیکاں خصومت مرکرند — چوں خدا و مصطفےٰ و مرتضا پیش کردہ

سالِ تاریخِ رسالہ خواستم آمد ندا — ایں مُزخرفہائے باطل از ابو صالح بود

قطعہ ۵۔ یہ محمّد علی مجتہد و فقیہ کی تاریخِ وفات کا قطعہ ہے۔ آخری تین شعر: (۱۲۶۶ھ)

مجتہد و فقیہ بود و خلیق — رسمِ دین شد ز فتویش احیا

عشق می خواست سالِ تاریخش — از درِ پاک ربّی الاعلیٰ

شد ندا از صرادقِ لاہوت — آن ولی بود افضل العلما

قطعہ ۶۔ ایکہ در حُسنِ خُلق یکتائی — ہرچہ گویَم ازاں مُبرّائی

اضطرابم برنگِ سیمابست — گشت مشکل بمن تن آسائی

از جدل چرخ بر نمی گردد — نالہ تن آسائی

طبعِ افسردہ بسکہ ایں سفلہ — بستہ لبہائے من ز گویائی

من پئے اشتیاقِ دیدارت — دارم از دستِ خود شکیبائی

ساقیا مشکلِ مرا بکُشا — ہادیِ راہِ دین و دنیائی

بین کہ بد حالِ تنگدستیِ عشق — شعرِ استاد ہم پائی

خانمش کرد نقدِ عمرم صرف — مفلسم ساخت خرجِ بالائی

سخت دل تنگ از خمار ... شیشہ گر بذل من بفرمائی
زندہ می سازی اے شفیق مرا بعنایات و لطفِ مولائی

قطعہ ۷۔ عظیم آباد کے ایک شاعر شاہ ساکن کی ہجو میں : (ورق ۱۰۶ ب)

عشق بنوشت شاہِ ساکن را گلہ آمیز نامہ بے کم و بیش
مقصد این بود کز فضولیہا نتواں کرد مخلصے دل ریش
در سخن گر مجادلہ داری غزلے طرح کن بخواہش خویش
در سوالِ مناظرہ بسخن کینہ بگرفت او بسینہ ریش
آں دم آں کُند طبع دُوں طینت عذرہا کرد و سر فگند بہ پیش
غائبانہ شنفتہ شکوۂ چند از کسان و اعزِّ دیں درویش
گفتم او عقربست می دانم کہ بہر سوے می زند سر نیش
بعدِ نُہ ماہ نامۂ بجواب بنوشت او ز طینتِ بد خویش
جست پیکار از منِ مشتاق کرد رسوائے خلق خود را بیش
کس رسانید بر سرِ مجلس نامۂ سفلہ وضعِ آن بد کیش
شکوۂ او شنفتہ در احباب گفت ایں شعرِ عشقِ دُور اندیش
بعدِ نُہ ماہ در عظیم آباد خنثہ زائید ساکنِ بد کیش

قطعہ ۸۔ عظیم آباد کے ایک درویش اور عشق کے مخلص دوست شاہ اعزّ الدّین کی وفات کا قطعۂ تاریخ (جن کا ذکر استطراداً اوپر کے قطعے میں گزرا اور جن کی خوش نویسی اور دوسرے اوصاف پر مشتمل ایک طویل قطعہ کلّیات میں موجود ہے): (ورق ۱۰۵ ۵)

بود انسان اعزِّ دیں درویش کش ملک دیدہ دم نواز فاسجد
بود مرد محقّق و عالم بُرد ایماں ازیں جہاں باخود
از تاریخش داخلِ محفلِ محمدّ شد

قطعہ ۹۔ "سیّد پاک "۰۰ مجتہدِ طریقِ احمد "۰۰ یگانۂ عصر " محمدّ علی کی وفات پر لکھا گیا ہے۔ (ورق ۱۰۵ ب)

"داخلِ بزمِ مصطفیٰ گردید" مادّہ تاریخ ہے۔ ان کی وفات پر ایک قطعہ پہلے بھی گزرا

قطعہ ۱۰۔ تہی دست شد آنکہ در ایں جہاں　　کند خانہ را ہیچ نزدِ کساں (۴۰ شعر)
(ق. 105 b)

یہ قطعہ کسی نادار رئیس کی ہجو میں ہے۔ "شاعرِ خستہ حال" نے امیر کی مدح میں ایسا قصیدہ لکھا "کہ نتواں جوابش کند کس رقم"۔ امیر نے "لطفِ کریمانۂ بے حساب" سے عنقریب کرم کرنے کا وعدہ کیا۔ بعد کو بھی وہ ایفائے وعدہ کا یقین دلاتا رہا۔ عطیے کے انتظار میں جب چھے ماہ سے زیادہ مدّت گزر گئی تو شاعر کے لیے ہجو لکھنے کے سوا چارہ نہ تھا کہ "چو شاعر برنجد بگوید ہجا" یہاں کچھ شعر نقل کیے جاتے ہیں:

غنی گر ز شاعر کند زر نہاں　　مُبدّل ز ہجوش نماید زباں
ز اہلِ زباں کن حذر اے شفیق　　کہ در عربدہ می نماید فریق
تو نوّابی و نادار اے شفیق　　نگشتم ازاں در ہجایت غریق
ہمی بود گر جائے من دیگرے　　ہمی کرد پیدا بہجونت سرے
تو لافِ سخاوت بسے می زدی　　ولے ممسکی و غبی و ردی
بہ تنگیِ چشمت بود دار و گیر　　امیرے بظاہر بباطن فقیر
بمطبخ ترا اے امیر ندیم　　بود یازدہ ماہ روزہ مقیم
تویی ممسک از بس در اہلِ غنا　　چناں می دہی جاں بدستِ قضا

قطعہ ۱۱۔ غلامِ احمد آن خانِ سرافراز　　ز شادی کرد گیتی را مُزیّن
(ق. 107 a)
دلم از استماعِ شادیِ او　　شگفتہ چوں گلِ سیرابِ گلشن
سحرگہ وقتِ سعد از ہاتفِ غیب　　شدم مستدعیِ تاریخِ روشن
ندا آمد یہ یُمنِ تاجِ اقبال　　قرانِ زہرہ با ماہست احسن

قطعہ ۱۲۔ مکتوبِ منظوم در صفتِ خوش نویسیِ عالی مزاق (کذا) باتزئین شاہ اعزّالدّین

ز بعدِ حمد و نعت و وصفِ ابرار　　بشوقت گشتہ کلکِ من گُہربار
(۱۰۴ شعر)

اس قطعے میں شاہ رکن الدّین (عشق عظیم آبادی) کا ذکر ہے جن سے شاعر چالیس سال سے جب وہ پایۂ تخت دہلی میں تھا، خلوص و محبت رکھتا ہے۔ جب شاعر پٹنہ آیا تو تعلقات

اور بڑھے۔ شاہ رکن الدّین ہی نے شاہ اعزّالدّین کا ان سے ذکر کیا اور ان سے ملنے کا اشتیاق دلایا۔

نخستین شاہ رکن الدّین ممتاز ‌‌ ‌ بزمت ساخت از الطاف .....
من از چل سال بودم مُخلصِ آں ‌ ‌ بپاے تخت دہلی از دل و جاں
گزارم چوں بسوئے پٹنہ افتاد ‌ ‌ بہ فیمابین آمد دوستی باد
اعزّ الدّین امام خوش نویساں ‌ ‌ دہد در قالب لفظِ کہن جان
بنوعے حرفِ او باشد خوش اسلوب ‌ ‌ کہ گویا جلوہ گر دیدارِ محبوب

بعد کے اشعار میں شاعر، شاہ اعزّ الدین کی خوشنویسی کا حد درجہ معترف نظر آتا ہے اور اس کے قلم سے نکلے ہوئے ہر ہر حرف کی تعریف میں "رطب اللسان" نظر آتا ہے۔ وہ ان کے مکتوبہ حروفِ تہجّی کے ہر ہر حرف کی تعریف و توصیف اس طرح کرتا ہے:

صفتِ الف: الف جوں قدِّ خوباں
صفتِ ب: چو معشوقے ببالیں سر نہادہ
صفتِ ت: دو نقطہ کردۂ بر ت مزیّن ‌ ‌ چو قطبین ست بر افلاک روشن
صفتِ ث: بخطِّ استوا عقدِ ثریّا ‌ ‌ نماید خوش نقط بر ث سراپا
صفتِ ج: خم جیم تو دادہ کامرانی ‌ ‌ مراقب گشتہ در کشفِ معانی
صفتِ ح: تہی دارد شکم جوں زاہدِ پاک
صفتِ خ: چو شاہے کو نہادہ تاج بر سر
صفتِ د: جوں مجنوں خم شدہ در فکر لیلیٰ
صفتِ س: جوں سلکِ گوہرِ دندانِ دلدار
صفت ع: اسد از ہیبتش در لرزہ آمد
صفت ق: بدور خویش پیچیدہ دو عالم
صفت ف: بود فایت چو معشوقِ سر افراز ‌ ‌ سرے برکردہ از بستر بصد ناز
صفت ل: بود لامِ تو سرتا پا خوش اسلوب ‌ ‌ برنگِ زلف بر رخسارِ محبوب
صفت ن: چگویم وصف نون و نقطۂ آں ‌ ‌ بود چوں مردمک در چشمِ خوباں
صفتِ ہاے ہوّز: رقم از ہاے ہوّز گشتہ خُرسند ‌ ‌ کہ گشتہ جان درونِ حلقہ اش بند

اس طرح شاعر نے شاہ اعزّ الدّین کے نوشتہ سارے حروف تہجّی کی تعریف کی ہے پھر لکھا ہے کہ آپ کے نقطے کی صفت کیا ہے؟ آپ بسم اللہ کس طرح لکھتے ہیں؟ نثر کا فقرہ آپ کے قلم سے کس طرح نکلتا ہے۔ خط کے آخر میں شاعر لکھتا ہے:

غرض اوصافِ خوبی مُجملہ داری ز رنگینیِ معنی نو بہاری
بود وصفِ تو بیش از حدِّ امکاں عنانِ خامہ پیچیدم ز جولاں
شود نادیدہ از دیدار مسرور رقم فرما تسلّی نامہ از دور
چنین بشنفتم از ارباب حالات کہ باشد نامہ ہم نصفِ ملاقات

مکتوب بنام شاہ اعزّ الدّین ان اشعار پر ختم ہوتا ہے:

سلیم الطبع در مُنصف مزاجاں توئی در پٹنہ اے شاہِ سخن داں
نگین ہاے بلور از پارہ الماس خدا می سازی اے بکرندہ ناس
سخن کوتہ دعائے خیر انجام روا باشد رقم کردن بانجام
ندارد شرحِ شوقم ہیچ پایاں سلامت باشی اے جانِ مُحبّاں
بکامت مہر و مہ گردندہ بادا فلک فرماں برت چوں بندہ بادا
بعرفانِ دلت توفیر بادا دعائے عشق پُر تاثیر بادا

قطعہ: ۱۶۔ مکتوبِ منظوم بشاہ ساکن ستم ظریف در کل پٹنہ ارقام یافتہ:

الا اے ساکن ملک معانی بود نقرت دلیلِ کامرانی (۱۳۲ شعر)
تو ساکن ہستی و من مردِ راہی گوارا چند داری کم نگاہی
کلامِ طبع زادِ خود بظاہر نہاں در خانہ داری چوں جواہر
خذف (خزف ؟) اندوختی درخانہ بسیار گماں داری کہ من دارم گُہربار

اس کے بعد مرزا زین الدّین عشق، شاہ ساکن عظیم آبادی سے کہتے ہیں کہ بھائی تم نہ عروض جانتے ہو، نہ بحر اور ارکان سے واقف ہو، نہ تمھیں "وتد" معلوم نہ "سبب" کا پتا۔ تم نہ صغریٰ کبریٰ کے فرق سے واقف، نہ تم زحاف سمجھتے ہو نہ محذوف و مکفوف اور نہ مقبوض و اخرب کا تمھیں پتا ہے۔ نہ تمھیں فصاحت و بلاغت سے واسطہ، نہ تم فارسی زبان کی نکتہ

سخنی سے واقف، تم شعر موزوں کر دینے کو کمالِ شاعری سمجھتے ہو۔ دو تین ماہ کے بعد بس ایک غزل کہہ لیتے ہو اور وہ بھی ایسی جو نقائص سے خالی نہیں، کہنہ مشق شاعروں سے آویزش سے تم خلق میں رسوا ہوگے۔ اگر تمھارے سر میں شعر و شاعری کا سودا سما جائے تو ایک طرح مقرّر کر کے شعر کہو اور جس بحر میں شعر موزوں کرو اسی بحر میں تم اچھے شعر نکالو تو ایک بات۔ ایسا نہیں کرسکتے تو نکتہ سنجوں کے سامنے اپنا سر نہ اٹھاؤ۔ تمھارے اشعار کے نقائص نمایاں کر کے تم سے آویزش و تکرار نہیں چاہتا کہ تمھیں ملال ہوگا: مجھے تو میرزا فاخر مکیں نے کہا تھا کہ اگر تمھارا عظیم آباد جانا ہو تو جعفر خاں اور مرزا ساکن سے ملنا، ان سے مل کر تم خوش ہوگے۔ اس شفیق دوست کی خواہش پر میں نے تم سے ملاقات کی اور ملاقات میں بھی پہل کی اور اپنا کلام تمھیں سنایا۔ طریقِ دوستداری کا خیال رکھتے ہوئے جس محفل میں بھی تمھارے شعر سننے کا اتفاق ہوا میں نے کلماتِ تحسین ہی کہے، لیکن ایک دن شاہ اعزّ الدّین مجھ سے بہت تعجب اور اک گونہ حیرت سے کہنے لگے:

که اے وقفِ طریقِ آشنائی — دلت خالی ندیدم از صفائی
تو با ہر کس که داری ربطِ پنہاں — به غیبت یافتم افزوں ثنا خواں
بود عشق تو دار الضربِ شاہی — دلِ منصف دہد بر وے گواہی
سخنہایت برِ ہر کس کشیدم — ازو آوازۂ تحسیں شنیدم
ولیکن شاہ ساکن را دریں باب — مقصّر یافتم دریاب درباب
ز تحسینِ تو او پیچید چو مار — ولیکن زہر خندی دادہ اظہار
بگفتم گر غرورش از کمالست — به ہم طرحی چرا چوں غنچہ لالست
ندارد آنکه مقدورِ تکلّم — به اغمازش ندارم مجز تبسّم

بہرحال مرزا زین الدّین عشق، اپنی نیک سرشت کے مطابق شاہ ساکن کے نام اپنا طویل مکتوب اس دوستانہ مشورے پر ختم کرتے ہیں:

محبّا، مہربانا، نکتہ دانا — شفیقا، راز دانا، خوش زبانا
ملالت موجبے گر دادہ از من — بفرما تا شود بر بندہ روشن
غنیمت می شمارم دوستاں را — اخصّ الخاص اربابِ زباں را

ازیں پس غیرِ شوقِ دید و وادید　　بہ از قائم نباشد ہیچ تمہید

غرض اے مہرباں آباد باشی　　بہر حالے کہ باشی شاد باشی

توئی در پٹنہ شہر آشوب و قلّاش　　درونِ قصبہ ساکن باش جوں شاش

قطعہ ۱۷۔ ایں ابیات در مشاعرۂ عظیم آباد بدیہتہً برای تنبیہ " ستم ظریفے " بر سرِ مجلس گفتہ زبانِ اعتراض از دخلِ نوا بربستہ

الا اے ہرزہ دخلِ کُند ادراک　　ترا نبود ز کج بازاں بدل باک (۲۸ شعر)

عظیم آباد کے ایک مشاعرے میں مرزا ز[...] الدین عشق اپنے اشعار سُنا رہے تھے [...] میں ایک قافیہ مُرفّع آیا۔ ستم ظریف مرزا ساکن عظیم آبادی شاگرد مرزا فاخر مکین دہلوی، (متوفی ۱۲۲۱ھ) بھی مشاعرے میں موجود تھے۔ انھوں نے اعتراض کیا کہ " مُرفّع " کے معنی رفع ہونے اور دفع ہونے کے ہیں جو یہاں فحوائے کلام کے مطابق نہیں۔ حاضرین میں ایک صاحب لُغت کی ایک کتاب اٹھا لائے اور انھوں نے دکھایا کہ مُرفّع کا تعلق رفعت سے ہے اور یہاں یہی مقصود ہے۔ مرزا ساکن کے لیے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ عشق آخر میں لکھتے ہیں :

اگر داری سرے دعویٰ باشعار　　سخن سنجیدہ کن بامن بہ تکرار

تو چوں بوزینہ کردی نقلِ انسان　　ولے انسانیت از تُست پنہاں

دو سہ دیوان و صرف و نحو خواندی　　سرے در اعتراضم بر فشاندی

مزن لافِ سخن بانکتہ سنجاں　　کہ ایں اطوار دارد مردِ ناداں

شُتر خود را بلند از مُجلہ داند　　چو زیرِ کوہ آید پست ماند

فضولی کردی و خِفّت کشیدی　　ازیں اوضاع بہبودی ندیدی

بکن توبہ ز دخلِ کج دِگر بار　　وگرنہ سازمت زیں بیشتر خوار

قطعہ ۱۸۔ درمیانِ ورودِ کل زمین مُرشد و ذکرِ سبقت کردن گرم جوشی خلاصۂ نوعِ انسانی مجمع الکمال حاجی محمّد مُحسن لاثانی و ذکرِ خوش نویسیِ آں خجستہ رقم :

بہ آئینِ سیاحت با دلِ شاد　　گزارم عشق در بنگالہ افتاد

تلاشِ اہلِ دل کردم نخستیں　　کہ جست وجوے ایں قوم بود دیں

بے مُشتاقِ اہلِ راز بودم ‏ ‏ ‏ ز ہر کس گوش بر آواز بودم
کہ ناگہ خواجہ احسن ، صاحبِ ہوش ‏ ‏ ‏ بر من آمد و گشتم ہم آغوش

خواجہ احسن جو اسم بامسمّیٰ تھے ،عشق سے بڑے تپاک سے ملے اور بولے آپ کا ذکر خیر سنتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا کہ میں اربابِ معانی سے الفت کرتا ہوں اور نکتہ دانوں ہی سے زیادہ تر سروکار رکھتا ہوں۔ آپ عظیم آباد میں مُقیم تھے لیکن احباب آپ کا کلام وہاں سے بطور ارمغان یہاں بھیجتے رہے۔ آپ کے اشعار جو باعث سُرور ہیں پڑھ کر یہاں کے سارے سخنور اور اہلِ معانی آپ کے گرویدہ ہیں اور آپ کی نکتہ دانی و نکتہ سنجی کے معترف۔ یہ سب لوگ آپ کی ملاقات کے مُشتاق ہیں۔ میں آپ سے ملنے کا زیادہ شائق تھا ، اس لیے میں نے پہل کی اور آپ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوگیا۔

خواجہ احسن نے مزید کہا کہ اِس شہر ڈھاکا میں خلیل ابراہیم جیسے سخندان موجود ہیں جو آپ سے تعلّقِ خاطر رکھتے ہیں ، نواب غالب ہیں جنھیں آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، مظفر جنگ کے پور ہیں جو شعر و سخن سے دلچسپی رکھتے ہیں ، خواجہ عبداللہ تائید ہیں جو شعر و شاعری میں منفرد ہیں ، قدرت اللہ درویش ہیں جو فارسی میں تو کم لکھتے ہیں لیکن ریختہ میں خوب شعر کہتے ہیں ۔ ریختہ گویوں میں یہاں سلیم ہیں ، جن کا اہلِ دل کے ساتھ اخلاق عام ہے ۔ ولی ہیں جو ریختہ میں طاق ہیں۔ یہاں مُرشد آباد میں مہاراج دولت رائے اور راجا سنگھ ہیں ، منشی شرافت خاں ہیں کہ دارد با تو الفت از دل و جان " ۔ اور یہاں سخن فہم ، دانائے زمانہ ، صنّاعی میں سرِ یگانہ ، خطِ نسخ و نستعلیق میں استادِ زمانہ ، حُسنِ خلق میں یکتا و ذی شان ، علم و عمل میں یکتائے زمانہ حاجی محمّد محسن ہیں جو آپ سے ملنے کے بیحد مشتاق ہیں اور آپ سے ملاقات کے لیے آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں۔ عشق نے کہا :

کہ اے مسند نشینِ فقرِ حیدر ‏ ‏ ‏ منم مداحِ آلِ پاکِ صفدر
ملاقاتت ثوابست و سعادت ‏ ‏ ‏ مرا اِقدام باید بے تفاوت
من اوّل می رسم بہر ملاقات ‏ ‏ ‏ مکن تصدیع اے شاہِ خوش اوقات

خواجہ احسن ، میرزا عشق کا پیغام لے کر حاجی محمّد محسن کے پاس گئے ، واپس آتے اور بولے : تشریف لے چلیے ، وہ اور ان کے کچھ احباب جمع ہیں اور آپ سے ملاقات کے مُتمنّی ہیں۔ مرزا عشق ، حاجی محسن کی بزم میں پہنچے ۔ اُنھیں دیکھ کر ، اُن سے باتیں کر کے اور اُن کا

لطف و کرم دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ان کے فضل و کرم کے قائل ہوگئے۔

سخن کوتہ کہ باشوقِ فراواں مُشرّف گشتم و خُرسند شد جان
نظر وا کردہ دیدم بر جمالش مُسلّم یافتم فضل و کمالش
سراپا محسنِ ہر آرزو مند ز ربِّ کعبہ جانش بود خرسند
منِ وارستہ را از لطفِ بسیار بدام آورد آن شاہِ نکو کار

میرزا عشق آگے لکھتے ہیں:

ضرورم شد کہ شرح ایں ملاقات مُفصّل ترجماں سازم در ابیات
رقم سازم چناں شرح و بیانش کہ خوانند اہلِ دل این داستانش
مضامینِ غریب آرم بتحریر کہ ندرت ہا کند پیدا بہ تقریر
قلم از نالۂ دل سازم ایجاد مُرکّب از سویدا کردہ بنیاد
حریرِ پردۂ دل صفحہ سازم درو مضمونِ رنگین بر طرازم
مسیحا خامہ را سازم بجولاں دہم در قالبِ لفظ کہن جان
گر اندک آب و رنگش بر طرازم نگارستانِ چین شرمندہ سازم
برنگینی کنم گر قصد آہنگ نہ بیند ہیچ کس بر نقش ارژنگ

اس کے بعد میرزا ۵۷ اشعار میں حاجی محسن کی خوش نویسی کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ ان کے کلک کو "کلکِ سحر پرداز" اور ان کے لکھے ہوئے ہر حرف کو معشوقِ رعنا" اور ان کے قلم کی رفتار کو "خرام آموزِ سیلِ آبِ حیوان" لکھتے ہیں۔ وہ الف سے یا تک ممدوح کے قلم سے نکلے ہوئے ہر حرف کا وصف ایک ایک شعر میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے قلم کا لکھا ہوا:

الف: سروِ نونہالِ باغ جنت ہے۔
بے: چوشا ہے خفتہ بر تختِ سرافراز
صفتِ ث: بجومِ نقطہ سے عقدِ ثریّا خجل ہے
صفتِ ج: خوبان کا پیچ گیسو
صفتِ ح: شکمِ پیچیدہ جوں اربابِ اسرار

صفتِ خ : نقطہ بر سرِ تاجِ حشمت آگاہ

صفتِ دال : جو حاجی در رکوعِ بیتِ اللہ

صفتِ لام : پیچِ زلفِ معشوق

صفتِ نون : چو دل در سینۂ انسانِ کامل

صفتِ لام الف : چون سیفِ کرّار

صفتِ ہمزہ : زلفِ پُر خمِ جاناں

میرزا ، حاجی محسن کو مخاطب کرتے ہوئے قطعہ ختم کرتے ہیں :

معاصر ما و تو بودیم باہم ازیں رو گفتم ایں ابیات ، فافہم

ز حُبِ دل رقم کردہ شنایت زبانی می کشایم در دُعایت

بود با مہر و مہ گرداں در آفاق تو باشی بر خلائق صرفِ اشفاق

جواں مرد و جواں بختی تو اے شاہ مدد گارت بود پیوستہ اللہ

۱۹۔ کلّیاتِ عشق کا یہ آخری قطعہ ہے جو اکیس شعروں پر مشتمل ہے۔ یہ مختصر سا شہر آشوب ہے جو بہت دلچسپ پر معلومات ہے اور ہر طرح قابلِ مطالعہ ۔ اس سے اس عہد کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ سادہ ورق پر یہ قطعہ بعد کو نقل کیا گیا ہے ۔ اس کی شانِ خط جس خط میں کلّیات لکھا گیا ہے ، اس سے مختلف ہے ۔ اس پر کوئی عنوان درج نہیں ، اس قطعے کا زمانۂ تحریر ، ترتیبِ کلیات کے بعد کا ہے۔ یہ قطعہ ایک سادہ ورق پر لکھا ہوا ہے جو کاتبِ دیوان کے خط سے مختلف ہے۔ یہ غالباً خطِ مصنّف ہے

بلبلِ نغمہ سنجِ و شُویم گوش دارند عرشیاں بصفیر

گوشِ ابنائے دہر گشت صمیم از نوا گشتہ خاطرم دل گیر

بانگِ زاغاں زبسکہ رائج شد لب بہ بستم چو غنچۂ تصویر

ہمہ پاجی پرست گردیدند چہ امیر و چہ بادشہ چہ وزیر

مطبخِ سردِ ایں فسردہ دلاں کرد چیزے نخوردہ از جاں سیر

اہلِ معنی بملکِ ہندستان گشت در چشمِ اعتبار حقیر

ہر کہ در پائے تخت شد وارد قسمتِ او بپا زدہ زنجیر

آنچه ہمراہ داشت صرف نمود | ہمہ در کار خویش بے تاخیر
مثلِ مسجد نماند در کویش | غیرِ ظرف گِلی و فرش حصیر
در ہمہ سالی زجور فلک | نرسیدش طعامِ با مزہ سیر
بعد یک فاقہ و دو فاقہ باو | می دہد چرخ نانِ خشک و پنیر
پیشِ دونان ز غیرت اہلِ دل | نبرد حاجتِ قلیل و کثیر
منعمے اندریں خراب آباد | دلِ ویران نمی کند تعمیر
وای بر اہلِ فضل در ایں دور | کہ بشد خستہ دل صغیر و کبیر
الاماں الاماں ازیں دوران | کہ غنی بستہ چشمِ خود ز فقیر
بقرمساق و مضحک و لوطی | شد میسر پلاؤ نانِ خمیر
قحبہ و لوطی و حیل پیشہ | سرفرازند نزدِ شاہ و امیر
شاعر و فاضل و فقیہ کتاب | می فروشد بقیمت جو و سیر
مردِ میدان سپاہی از فاقہ | می کند گرو شمشیر
اغنیای زمانہ دجّال اند | مہدیِ باید از پئے تعزیر
عشق را اے خدا بحفظ و اماں | دار از بہر شبّر و شبیر

اب دیوانِ غزلیات شروع ہوتا ہے۔ عام طور پر ہر غزل سے پہلے ایک سطری عنوان درج ہے جس میں صراحت کی گئی ہے کہ یہ غزل کس کے تتبع میں لکھی گئی ہے۔ اس کی بحر اور تقطیع بھی درج کی گئی ہے۔ یہاں صرف ان غزلوں کے مطالع (مع تعداد اشعار) درج کیے جاتے ہیں جن کے بارے میں شاعر نے تصریح کی ہے کہ یہ غزل کس کی فرمایش پر کس زمانے اور کس مشاعرے کے لیے لکھی گئی ہے۔ ان اندراجات کی جو تاریخی اہمیت ہے وہ ظاہر ہے

۱۔ بحر مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن۔ حسب الاستدعاے (؟) مرزا مظہر جانجاناں

بازِ بدل شکستہ ام آہ بلب رسیدہ را | چارہ بگو چساں کنم رنگ رخ پریدہ را (۲ شعر)

۲۔ در بحرِ ہزج مثمّن سالم۔ حسب الارشاد عموی صاحب فقیر احمد خاں، مرحوم۔ مفاعلن ۴ بار

چناں در بزمِ ساقی میکشی باشد ہوس مارا　　　　که ماکس را ندانیم از سیه مستی نه کس مارا (۱۰شعر)

۳۔ ایضاً در ہمین بحرِ [رمل مثمن اشتر ۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن] غزلِ عاشقانه در تتبعِ صائب ۱۱۶۵ء

باده از خود کے تواند برد ہشیار ترا　　　　خوابِ غافل کے تواند کرد بیدارِ ترا (۸ شعر)

روحِ فردوسی و صائب عشق می باید به وجد　　　　گر برم در اصفهان و طوس اشعارِ ترا

۴۔ ایضاً دریں بحرِ [ہزج اخرب مکفوف محذوف ۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن] غزل محققانه در ۱۱۶۰ء شرفِ نزول یافته

مدتے شد بر درِ میخانه دارم التجا　　　　مرحبا ساقی ز دردِ ے دل و جان کن صفا (۰شعر)

۵۔ ایضاً دریں بحر غزلِ عاشقانه در تتبعِ فرح الله عرب نزول یافته ۱۱۵۵ھ

از تعلق کرد فزوں وارسته را　　　　وحشت از دام و قفس افزوده صید بسته را (۰شعر)

۶۔ غزل عاشقانه در بحر ہزج مثمن سالم ۔ مفاعلن ۴ بار دریک مصرع ۱۱۵۰ھ

نگاهِ عاطفت باشد جزائے جانفشانیہا　　　　دریغ از ما مکن اے بنده پرور مهربانیها (۰شعر)

۷۔ غزلِ عاشقانه در بحرِ ہزج اخرب ۔ مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن ۱۱۴۰ھ

چشمانِ تو در قتلم دارند شتابیہا　　　　بگرفته سرِ راهم بدست شرابیہا

۸۔ غزل رواں عاشقانه در بحرِ رجز مثمن سالم مستفعلن ۴ بار ۱۱۶۱ھ

جانان بجانم ساعتے دور از تو باشد سالها　　　　می میرم از زین پیشتر جائز کنِ اعمالها (۸شعر)

۹۔ ایں غزل در صفتِ عاشق شدنِ معشوق بحسب الاستدعاے (؟) عاشق عارف باتمکین و شیخ الشیوخ باتزیین شاه رکن الدین عشق سلمه نزول یافته ۱۱۹۵ھ

عاشقِ چوں خوں شده گردیدهٔ مفتون چرا　　　　سوسنی کردی زسیلے چہرهٔ گلگوں چرا (۱۰شعر)

۱۰۔ در مقصود آباد طرحی مشاعرهٔ خانِ ذیشان علی ابراهیم خلیل ورود یافته ۱۱۹۴ھ

برچیده ز دندان درِ شہوارِ تمنّا　　　　بکشاده ز لبها سرِ بازارِ تمنّا (۱۱شعر)

۱۱۔ ایں غزل در مشاعرهٔ عموی صاحب محمد قباد خاں احمد مرحوم در شاهجهاں (آباد) در عصر محمد شاه فردوس آرامگاه در بحرِ رمل ۱۱۳۶ھ

خوشانہ دل شدہ صد چاک از ہوس مارا   نشد ہنوز بزلفِ تو دسترس مارا (۱۰شعر)

۱۲۔ غزل در بحرِ ہزج مسدّس اخرب سالم ۔ مفعول مفاعیلن مفاعیلن ۔ ایں بحر عجیب و غریب ست ۔ مشّاقان از سبب دشواریِ نشست ارکان نیز داختہ اند رُتبۂ فصاحت دراں سرفراز ماندن دشوار نیست

آن چشمِ تو جامِ مرگ قربانہا   مژگانِ تو دستہ دستہ پیکانہا

۱۳۔ ایں غزل در تتبّع غزلِ شہر آشوب مرزا صائب علیہ الرحمتہ بہ محفلِ نواب اسد اللہ خاں غالب نزول یافتہ ۱۱۹۴ھ

نماند گر بہ بزمِ من شرابِ روشنِ مینا   رسانم ہمچوے خونِ جگر تا گردنِ مینا (۱۱شعر)

۱۴۔ غزل عاشقانہ ایجادی در مرشد آباد نزول یافتہ ۱۱۹۴ھ

آنکہ مثلِ مہر روشن کرد ادراکِ مرا   داد صافی مثلِ گوہر طینتِ پاکِ مرا (۱۰شعر)

۱۵۔ غزل عاشقانہ بحسبِ تمنّائے خلف الرشید میر یعقوب علی جوہر، در کلکتہ نزول یافتہ ۱۱۹۰ھ

پاک جوہر از نگاہِ پاک در یابد مرا   نیستم آنکس کہ در خاشاک در یابد مرا (۹)

۱۶۔ ایں غزل ... در مشاعرۂ خلاصۂ نوعِ انسانی علی ابراہیم خاں خلیل ورود یافتہ ۱۱۹۰ھ

ز ز حق بدعا ہاے صبح گاہ طلب   تزرعے (تضرعے ؟) کن و مقصود از الٰہ طلب

(۱۴شعر)

۱۷۔ غزل شہر آشوب عاشقانہ انصاف طلب در تتبّع خواجہ آصفی در عظیم آباد بحسب و ہایتِ عارف عاشق با تزیین شاہ رکن الدّین عشق سلمہٗ ... ورود یافتہ ۱۱۹۱ھ

نالہ از بسکہ کشیدم بغمت شب ہمہ شب   لرزہ افتاد بجان فلک .... شب ہمہ شب (۹شعر)

۱۸۔ در تتبّع صائب در مشاعرہ قبلۂ کونین محمّد قباد خاں احمد مرحوم ۱۱۴۶ھ

چو خط دمید بروئیش عذار را دریاب   ز سبزہ رونقِ فصلِ بہار[۱] دریاب (۹شعر)

۱۹۔ ... در مشاعرۂ عموی محمّد قباد خاں احمد در عصر سلطنت محمّد شاہ در شاہجہاں آباد ۱۱۴۶ھ شرفِ نزول یافتہ

آنکہ سر حلقۂ خوبانِ پری رخسار ست   ہمہ خوبست ولے عہد شکن بسیار (؟) ست (۱۴شعر)

۲۰۔ غزلِ پُرکار در صحبتِ نوّاب محبّت خاں بہادر در بریلی ورود یافتہ ۱۱۸۵ھ

مہربانیہای جاناں گاہ ہست و گاہ نیست [ ] نمایاں گاہ ہست گاہ نیست (۱۱شعر)

۲۱۔ غزل در تتبع جمہور شعرائے مسلّم الثبوت در مشاعرہ عموی محمّد قباد خاں احمد ۱۱۵۲ھ

در ہمہ خوبان بخوبی آن بتِ رعنا یکے ست افزاں بسیار خورشید جہاں آرا یکے ست (۲۸شعر)

۲۲۔ در سہرند باستدعاے موزونانِ آں دیار گفتہ شد ۱۱۶۸ھ

ترک چشمش بخون فشانیہا ست غمزہ سرگرم ہمعنانیہا ست (۱۳شعر)

۲۳۔ غزل در مشاعرہ عموی محمّد قباد خان احمد طرح شدہ بود ۱۱۶۲ھ

جان از لب او غیر نکیدن نتوان یافت لذّت ز شکر جز نچشیدن نتوان یافت

۲۴۔ غزل در مشاعرۂ عظیم آباد طرح شدہ بود

دامنِ تر بزہر نایاب است جاے پاکست و عالمِ آبست

۲۵۔ ایں غزل نیز طرحی مشاعرہ شعرائے عظیم آباد است ۱۱۹۳ھ

سوختن کار خار من ست شعلۂ برق نوبہار من است (۱۱شعر)

۲۶۔ غزل در عظیم آباد حسب الاستدعاے خادم حسین خاں (خادم حسین خادم عظیم آبادی)

مست نازست ناز و بے پروا ست فتنہ از شور حسن او برپاست (۱۲شعر)

۲۷۔ غزل طرحی مشاعرۂ عظیم آباد ۱۱۹۴ھ

بشگفت غنچہ چاک گریبانم آرزو ست جوشید بادہ بزمِ حریفانم آرزو ست (۱۱ شعر)

۲۸۔ در عظیم آباد طرح نمودہ شد ۱۱۹۲ھ

دیار و قلعہ و گنجینہ از شہاں باقیست زمن ہمین سخنِ چند در جہاں باقیست (۹ شعر)

۲۹۔ غزل عاشقانہ طرحی مشاعرۂ شاہجہاں آباد ۱۱۴۱ھ

چشمت بغمزہ شوکت شاہی گرفتہ است نازت رہم چو مرد سپاہی گرفتہ است (۷ شعر)

۳۰۔ غزل طرحی مشاعرۂ پاے تخت دہلی ۱۱۶۷ھ

در خراباتِ مغاں عمرم بمیخواری گزشت شورِ مستی از سما در نالہ و زاری گزشت (۱۱ شعر)

۳۱۔ غزل بحسب الاستدعاے ممتحن الشعر پاے تخت دہلی نزول یافتہ

رنگِ رخسار تو و نو گلِ تر ہر دو یکے ست نفسِ سردِ من و بادِ سحر ہر دو یکے ست (۵ شعر)

۳۲۔ ایں غزل حسب الاستدعاے سعید اللہ خاں عاشق در عظیم آباد نزول یافتہ

یار در جلوہ محوِ یکتائی ست   خود تماشا و خود تماشائی ست (۱۲ شعر)

۳۳۔ غزل بحسب الاستدعا شاہ عاشق مرحوم در عظیم آباد نزول یافتہ

ابرو کماں بُتے کہ بچشم آشیانہ ساخت   برکردہ ناوکِ مژہ دل را نشانہ ساخت (۹ شعر)

۳۴۔ در مُرشد آباد بمجلسِ راجا دولت راے این غزل بر غزلِ مشہور نعیمی بر سرِ مجلس بدیہتہً نزول یافتہ

جان و دلم ربود و ادا را بہانہ ساخت   خاکم بباد داد و صبا را بہانہ ساخت (۱۱ شعر)

یہ مطالعہ ردیف تا کی غزلوں پر ختم کیا جاتا ہے ورنہ ردیف یا تک تو سینکڑوں غزلیں کلیات میں ہوں گی۔

غزلیات کا سلسلہ کلیات کے پیش نظر نسخے کی جس غزل پر ختم ہوتا ہے اس کا مطلع ہے:

شُغ ست و حیل نوشی باہم و غم دردے ؟   ہر شہرے و ہر رہے ہر کارے و ہر مردے

آخری شعر یہ ہے:

داغے کہ بکشتِ دل خرمن بکشید ار سر   چوں دانہ سر اشکِ من اے عشق بہ ہر دردے

اگلے صفحے کی غزل [illegible]

بگفتا کیست عشق بے سروپا گفتم اے ظالم   غریبے عاجزے مسکینِ محزون و دعا گوئے

اس کے بعد کے صفحے سے مخمسات شروع ہوتے ہیں جو سارے کے سارے مناقبِ علی میں ہیں۔

۱۔ مخمس در تتبعِ غزلِ خواجہ حافظ در بحرِ مضارع مثمن اخرب مکفوف مقطوع فی المناقبِ مرتضوی مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن۔ حافظ کی مندرجۂ ذیل غزل پر تخمیس کی گئی ہے:

جوزا سحر نہاد حمائل برابرم   یعنی غلامِ شاہم و سوگند می خورم (۶شعر)

یہ تعداد میں دس ہیں۔ آخری مخمس طغرا کے تتبع میں اس کے مشہور شعر:

گر فیضِ عام بذل سراسر کند علی   ہر ذرّہ آفتابِ منوّر کند علی

—— کی تخمیس میں ہے۔

یہ عشق کا سب سے طویل مُخمّس ہے اور ۹، بند پر مشتمل ہے اور فنّی اعتبار سے سب مُخمّسوں پر فوقیت رکھتا ہے: یہاں پہلا اور آخری بند نقل کیا جاتا ہے:

از حکمِ حق مدد بہ پیمبر کند علی   اجرائے دین ز تیغ دو پیکر کند علی
اجرامِ کائنات مُسخّر کند علی   روشن جہاں ز پرتوِ جوہر کند علی
ہر ذرّہ آفتابِ مُنوّر کند علی

در راہِ الفقش زدہ جان از ازل قدم   وِرد زبانست و نام مُعلّاش دمبدم
در شوقِ آں جناب کشیدم سر از عدم   سایم کلہ بعرش کرا اے عشق ...
منظور در غلامیِ قنبر کند علی

مُخمّسات کے بعد کلیّات میں رباعیات ہیں جو ۸۸ صفحات پر محیط ہیں۔ رباعیات کی، جن میں کچھ قطعات بھی شامل ہیں، تعداد ۳۰۹ ہے۔ بعد کو ۱۳ رباعیات اور ۱۱ قطعات حاشیے پر اضافہ کیے گئے ہیں۔ ابتداء میں بطور تمہید دو صفحوں کی نثری تحریر ہے جس میں مرزا عشق لکھتے ہیں کہ میں نے علمِ عروض کے مُتعدّد رسالے دیکھے لیکن مجھے " ماہیتِ تعدادِ اوزان کماحقہٗ رباعی " کسی میں نہیں ملی۔ ایران کے بعض فضلاء کی صحبت سے معلوم ہوا کہ رباعی کے اوزان کا استعمال شعرائے عرب کے یہاں نہیں ملتا۔ رباعی شعرائے عجم کی اختراع ہے۔ مولانا جامی نے بطریقِ یادگار ۲۴ اوزان دو شجروں اخرب اور اخرم میں لکھے اور ہر تقطیع میں اپنا ایک مصرع لکھ کر پیش کیا ہے۔ خاکسار نے ہر بحر کا نام مطابق قاعدۂ عروضیان اس دیوان میں رقم کیا ہے اور مولانا جامی کے بنائے ہوئے ۲۴ اوزان رباعی میں ہر تقطیع میں رباعی مکمل بزبان فارسی و زبان ہندی اُردوی معلاّی پایۂ تختِ شاہ جہاں آباد " میں لکھی ہے۔ اس کے بعد شاعر نے اپنی رباعیاں درج کی ہیں، ساتھ ہی ساتھ اس کی بحر بتائی ہے اور اس کی تقطیع لکھی ہے۔ پہلی رباعی یہ ہے:

آراستہ بر طبق ز مولائیِ تُست   درکارِ جہاں ز کار فرمائیِ تُست
برتر ز قیاس ما توانائیِ تُست   پیدائشِ ما دلیلِ پیدائیِ تُست

حمد و نعت میں متعدد رباعیات ہیں۔ یہاں دو درج کی جاتی ہیں:

ذاتے کہ عروج در مرائیِ اوست   نورِ بصرم ز نورِ بینائیِ اوست

برتر ز قیاس و علم ، دانائیِ اوست　　موجود بهر وجود یکتائیِ اوست

اے فخرِ رُسل ترا ز حق شد معراج　　نُہ چرخ نمود خاکپایت سرتاج
در ظلِّ لوائے تُست عالم آباد　　بر درگہِ عالیِ تو آدم محتاج

حمد و نعت کے بعد چار رباعیاں ، چاروں خلفائے راشدین کی منقبت میں ہیں :

صدیق بصدقِ خود رسا تحقیق ست　　ہم بزمِ نبی و صاحبِ تصدیق ست
آن بادہ کہ در خُمِ نبوت جوشید　　صافش بہ ایاغِ حضرتِ صدیق ست

از ہر کہ دِلت درین زماں می لرزد　　او نامِ عمر بگیر کاں می لرزد
آن صاحبِ عدل و داد فاروق آمد　　کز دُرّہٴ عدلِ او جہاں می لرزد

سر منشہ بہ دفترِ حیا عثمانست　　سر خیلِ فریق بے ریا عثمانست
قرآن کہ دلیلِ اصفیا شد در دہر　　جامع بنگر کہ عثمانست

بیرونِ وجود کل علی است علی　　ہادیِ ہمہ سُبُل علی است علی
شاہنشہٴ کشورِ ولایت بخدا　　از بانگِ دف و دہل علی است علی

اور ایک قطعے میں ان چاروں خلفاء کی منقبت آگئی ہے :

صدقِ صِدّیق چراغِ رہِ دینم بادا　　عدلِ فاروق مددگار و معینم بادا
آن حیای کہ بعثمانست قرینم بادا　　اسد اللہ وصی است یقینم بادا

اگلی رباعی میں

انجامِ رسالت از صفی شد بہ نبی　　سرّیست ز روی اخبارِ خفی
درباب کہ گفتم از مثل بر تو جلی　　شد ختم خلافتِ محمدؐ بعلی

مُتعدّد رباعیوں پر صاد کا نشان ہے جو بظاہر مُصنّف کے قلم سے ہے اور ان کی پسندیدہ رباعیوں کی نشان دہی کرتا ہے ۔ ان میں سے ایک یہاں نقل کی جاتی ہے۔

از دورِ فلک نہ تاجِ زر می خواہم　　رخشندہ کلاہ و نے کمر می خواہم
اے ماہِ تمامِ من شبِ وصل ترا　　از اوّلِ شام تا سحر می خواہم

حاشیے میں رباعیوں کے سامنے کہیں کہیں فی النعت ، فی المناقب ، فی المناقب سیّد الشہداء (؟) فی المناجات ، مناقبِ عیدِ غدیر ، مناقبِ رمضان المبارک ، درشانِ ربوبیت ، درشانِ ائمہ اثنا عشر لکھا ہوا ہے اور کہیں کہیں رباعیوں کے سامنے عاشقانہ ، مستانہ ، عارفانہ ، موحدانہ ، محققانہ ، عاشقانہ انداز ، عاشقانہ حریفانہ ، عاشقانہ صوفیانہ ، حریفانہ ، قلندرانہ ، سالکانہ لکھا ہوا ملتا ہے۔

عشق کی کچھ رباعیات یہاں درج کی جاتی ہیں :

ساداتِ کرام خستہ حالند و تباہ　　دارند اراذلان جاہ
دجّال وشاں محیط گشتند بدہر　　خواہم ز جنابِ صاحبِ امر پناہ

موزونیِ نالہ رسا می جویم　　کان مثلِ سناں خلیدہ در پہلویم
دعوای کمال نیست در دل واللہ　　من شعر برای دردِ دل می گویم

گہ بیخود و گہ مست و گہے ہشیارم　　گہ سُستم و گہ چُست و گہے طرّارم
پیوستہ بزلفِ یار باشد کارم　　دیوانہ ام و بکارِ خود ہشیارم

آمد صنمے بہ بُت پرستی ناگاہ　　صد گونہ حیا و ناز و تمکین آگاہ
چوں برہمناں بُتاں سجودش کردند　　کافر چو بدید گفت اللہ اللہ

دی مستِ قدح گشتہ نشستم در راہ　　با دلبرِ مے نوش شُبتہ بہ از ماہ
زاہد چو گزر کرد بگفتم اے عشق　　لاحول و لاقوّۃ الاّ باللہ

ابروے کجش خنجر بیداد کشید　　زخمے دلِ من خوردہ بخوں ناب طپید
از غیب در آن لحظہ چنیں مژدہ رسید　　مَنْ مَاتَ مِنَ العِشْقِ فَقَدْ مَاتَ شَہِید

بگرفت از رُخ نقاب و گردیده بروں   بستان دہ ز دل علامتِ صبر و سکون
او نازاں شد بناز و من محوِ نیاز   کُلُّ حزبٍ بما لدیھم فرِحُونْ

آخری رباعی یہ ہے

چوں گشتم منِ خستہ گرفتارِ دل   می کردم ہر لحظہ نپئے کارِ دل
تا جانم بہ رسیدہ ز یارش خیر ؟   اورا ہم ز جا بُردہ غمِ یارِ دل

اس کے بعد نثر کی ایک سطر ہے "بعنایتِ بندہ نوازی چارہ ساز بے انبار دوازدہ تقطیع شجرہ اخرم" اور اسی سطر پر یہ موجودہ نسخہ تمام ہوجاتا ہے۔

بظاہر ورق دو ورق یا کچھ اوراق یہاں سے غائب ہوگئے ہیں۔

دیوان عشق جو دراصل کلّیات عشق ہے ، خاصا ضخیم ہے۔ یہ تقریباً سارے اصناف سخن پر مشتمل ہے ۔ پیش نظر مضمون کا مقصد بارہویں صدی ہجری کے ایک نسبتاً غیر معروف فارسی شاعر کا جس کے ساتھ تذکرہ نویسوں نے خاصی بے اعتنائی برتی ہے ، تعارف تھا اور اس کے مجموعۂ کلام کو جس کے مشمولات ہر طرح قابل قدر اور لائق مطالعہ ہیں ، روشنی میں لانا تھا جو دو صدیوں سے انگلستان کے علمی و ادبی نہیں بلکہ ایک تجارتی شہر کے کتب خانے کی تاریکی میں پڑا تھا۔ اگر اس وقت کے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز جنھیں کلکتے میں ۱۷۸۵ء میں خود شاعر نے یہ نسخہ پیش کیا تھا ، اس قیمتی تحفے کو مانچسٹر کے بجائے لندن کے برٹش میوزیم ، انڈیا آفس یا اوکسفورڈ کی باڈلیان لائبریری میں محفوظ کر دیتے تو یقین ہے کہ اس نسخے پر ہندوستان پاکستان کے کسی صاحب ذوق کی نظر پڑتی اور فارسی و اردو دنیا کو اس پر بہت پہلے اطلاع مل جاتی ۔ مانچسٹر میں اگر اس پر کسی کی نظر پڑی بھی ہو جس کا اب تک کوئی ثبوت نہیں ملا تو اس دیوان کی ضخامت (جہازی تقطیع پر کوئی ۱۴۰۰ صفحات) اس سے دلچسپی لینے میں مانع ہوئی ہوگی۔

میں آج سے کوئی نصف صدی پہلے (۱۹۵۳ء ۔ ۱۹۵۶ء) میں اوکسفورڈ یونی ورسٹی میں پروفیسر سر ہملٹن گِب کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کے لیے چھٹی صدی ہجری کے اواخر اور ساتویں صدی کے اوائل کے ایک شامی مصنف و شاعر مسلم بن محمود الشیزری کی ایک کتاب جمہرۃ الاسلام ذات النثر والنظام کے ایسے مخطوطے پر کام کر رہا تھا جس کا عالم میں صرف ایک ہی نسخہ ہے جو لائیڈن یونیورسٹی لائبریری (ہولینڈ) میں محفوظ ہے۔ یہ آغاز اسلام سے چھٹی صدی ہجری تک کی لکھی ہوئی سو تحریرات نظم و نثر کا بڑا قیمتی مجموعہ ہے۔ ایسے متعدّد نادر و نایاب نظم و نثر کے نمونے شامل ہیں جو قدیم و جدید مراجع و مصادر میں نہیں ملتے۔ مثال کے طور پر حضرت علی بن ابی طالب کے خطبات (جو نہج البلاغۃ یا کسی مصدر میں نہیں ملتے) ، رسائل المعرّی (جو مارگولیتھ اور فاضل معاصر الاستاذ عبدالکریم خلیفہ کے مرتب کردہ لندن اور عمان والے اڈیشنوں میں موجود نہیں ، خطبۂ واصل بن عطا جو الاستاذ عبدالسلام ہارون کے شائع کردہ خطبے سے بالکل مختلف ہے۔ رسالۃ القلم و الدّواۃ از ابن قتیبۃ (اس کا ابن قتیبۃ کی تصانیف میں پتا نہیں چلتا) ان کے علاوہ القاضی الفاضل ، ابن ابی الشخباء ، علی بن وشاح ، قابوس بن

وشمگیر، نشوان الحمیری، شریف الرضی، عبدالعزیز بن یوسف، وزیر المحلبی اور الصابی کی نایاب تحریرات نثر جن کے اصل مصادر بظاہر حملۂ ہلاکو میں غارت ہوئے اور جو بچے وہ مفقود ہوگئے۔

منظومات میں دیک الجن، الملک المعز اسماعیل، الرقاشی، الواسانی، علی بن ہشام، ابن الکیزانی، ابزون العمانی، ابن التعاویذی اور ابن منیر الطرابلسی کی تخلیقات جن کے متون کسی ماخذ میں مجھے دستیاب نہیں ہوئے۔

جو لوگ پروفیسر گب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ ایک مشکل پسند اور بڑے سخت قسم کے نگراں تھے، آسانی سے مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں صرف عربی کے مطبوعہ مصادر پر اکتفا نہ کروں، غیر مطبوعہ مراجع کا ضرور مطالعہ کروں اور صرف انگلستان ہی نہیں بلکہ یورپ کے ان ملکوں کے کتب خانے بھی دیکھوں جہاں عربی مخطوطات محفوظ ہیں۔ ان کا اچانک ہارورڈ جانا ہوگیا ورنہ وہ مجھے ڈبلن (آیرلینڈ) بھی ضرور بھیجتے جہاں چیسٹر بیٹی کا نایاب ذخیرہ مخطوطات ہے اور جس کا وہ کئی بار مجھ سے ذکر کر چکے تھے۔

جمہرۃ کے مشمولات کی علمی و تحقیقی تحلیل اور متون کی تصحیح کے لیے گذشتہ چھے صدیوں کی اہم عربی تصانیف کا مطالعہ ناگزیر ہوگیا۔ ان میں مطبوعات بھی تھیں اور مخطوطات بھی۔ ان کے مطالعے کے لیے ہولینڈ، جرمنی اور فرانس کے کتب خانوں میں جانا ہوا اور انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کے تو سارے مشہور کتب خانوں کے ساتھ ساتھ متعدد کالجوں کے قلمی ذخیروں کے دیکھنے کے بھی مواقع نصیب ہوئے۔ تذکرۂ صدرالدین آزردہ دہلوی کیمبرج کے کورپس کرسٹی کالج میں، دیوان نعیم دہلوی اور دیوان آبرو کنگس کالج میں، تذکرۂ حیدری اوکسفورڈ کے انڈین انسٹی ٹیوٹ میں اور فضلی کی کربل کتھا برلن سے بہت دور ٹیوبنگن لائبریری میں نہیں، اس کے ایک کمرے میں رکھی ہوئی مجھے ملی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد برلن کا پورا ذخیرہ ماربرگ اور ٹیوبنگن سے واپس برلن بھیج دیا گیا۔ تذکرۂ طبقاتِ سخن وہیں دیکھنے کا موقع ملا اور تذکرۂ ریاض الوفاق مؤلفہ ذوالفقار علی مست کا نسخہ منحصر بفرد کی نقل بھی میں نے وہیں بیٹھ کر تیار کی۔

مانچسٹر میں ۱۹۵۵ء میں پہنچا۔ وہاں میرا قیام صرف تین دنوں کے لیے تھا، پھر اور مقامات سے ہوتے ہوئے اڈنبرا پہنچنا تھا۔ ان تین دنوں میں یونیورسٹی کے عربی و فارسی و اسلامیات کے مشہور علماء و محققین سے ملنا بھی میرے پروگرام میں شامل تھا اور جون ریلینڈ لائبریری کے نفائس و مخطوطات و نوادر دیکھنا بھی۔ اوکسفورڈ کے زیر تحریر مقالۂ علمیہ کے

سلسلے میں مواد کی تلاش و حصول کے بعد جو وقت ملا وہ وہاں کی اردو فارسی کی قلمی کتابوں کے مطالعے میں صرف کیا۔ جو تعداد میں ۴۸ تھیں۔ ان میں سے ۲۰ مخطوطات پر میں نے مختصر نوٹس لکھے تھے جو بعد کو قاضی عبدالودود صاحب کو بھیج دیے جنھوں نے اسے رسالۂ معاصر حصہ دہم (اگست ۱۹۵۰ء) میں کتاب خانۂ مانچسٹر کے بعض مخطوطات " کے عنوان سے شائع کر دیا۔ دیوانِ عشق کے بارے میں میں نے یہ سطریں اس وقت لکھی تھیں:

کلیات مرزا زین الدین خاں عشق دہلوی ۔ یہ بڑی تقطیع پر ۱۳۹۰ اوراق (صفحات ہونا چاہیے) کا بہت ضخیم کلیات ہے۔ یہ نسخہ خود مصنف نے وارن ہیسٹنگ گورنر جنرل کو پیش کیا تھا جیسا کہ سر ولیم جونس کی تحریر سے جو اس نسخے پر ثبت ہے، معلوم ہوتا ہے۔ ایک بہت دلچسپ بات یہ ہے کہ تقریباً ہر غزل کی ابتداء میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس موقع پر کب اور کس مشاعرے کے لیے یہ غزل لکھی گئی ہے۔

ایک غزل میں " صبح گاہ طلب " (ورق ۱۹۲ ۔ الف) اس کے متعلق لکھا ہے: " در مشاعرہ نواب علی ابراہیم خاں خلیل ۱۱۹۵ھ " ایک غزل جس کی ردیف " ہمہ شب " ہے اس کے متعلق یہ صراحت موجود ہے: " غزل ہمہ شب " در عظیم آباد بحسب فرمایش شاہ رکن الدین سلمہ در ۱۱۹۱ھ (ورق ۱۹۲ ب)۔ علی ابراہیم خاں، تذکرۂ گلزار ابراہیم کے مؤلف ہیں اور شاہ رکن الدین سے ان کی مراد حضرتِ عشق عظیم آبادی ہیں۔ اسی طرح عظیم آباد، دہلی اور دوسرے مقامات کے بہت سے مشاعروں کے متعلق اطلاعیں ملتی ہیں۔ اس کلیات پر کبھی کام کیا گیا تو بہت سے نئے معلومات حاصل ہوسکتے ہیں "۔

وارن ہیسٹنگ منفرد نہیں ہیں جنھوں نے " دیوانِ عشق " کا نسخہ اس کتب خانے کی نذر کیا، غالب کے ممدوح کرنل ہملٹن کے کتب خانے کی متعدد کتابیں جون ریلینڈ لائبریری میں موجود ہیں۔ یا تو اس نے خود اس کتب خانے کو پیش کیں یا اس کے اعزہ نے بھجوائیں۔

۱) دیوان حشمت: زمانۂ کتابت تقریباً ۱۷۵۰ء اوراق ۴۳ ۔ ہملٹن کے کتاب خانے میں اس کا نمبر ۵۳۸ تھا۔ (فارسی: ۶۲۱)

۲) نکات غالب: مصنفہ مرزا غالب دہلوی صفحات ۱۹ سطور ۱۷ (فارسی ۶۱۴) اس نسخے پر اغلاط کی تصحیح کاتب نسخہ نہیں کسی اور کے قلم سے ہے۔ ممکن ہے خود مرزا کے قلم

کے تصحیحات ہوں ۔ عجب نہیں کہ خود مرزا نے تصحیح کرکے یہ نسخہ ہملٹن کو بھیجا ہو۔

۳) قصیدہ در مدح ملکہ انگلستان و ہندستان مصنفہ مرزا غالب (فارسی ۶۱۳) ۔ سرورق میں یہ عبارت درج ہے : " قصیدہ برگزیدہ در مدح .. (ملکۂ معظّمہ انگلستان خلّد اللہ ملکہ (کذا) بالعدل والاحسان " ۔ قصیدے کے بعد " دستنبو " شروع ہوجاتی ہے۔ اس نسخے میں بھی ترمیمیں اور اصلاحیں ہیں اور غالباً بخطِ غالب۔

۴) دیوان ولی (ہندستانی ۲۰) سلیمان جاہ اور ہملٹن کے کتب خانوں میں یہ نسخہ رہ چکا ہے۔ مکتوبہ میر نیاز علی ۲۸ محرم ۱۲۲۳ھ

۵) کلّیات جرأت (ہندستانی ۲۵) مکتوبہ ۲۰ ذوالحجہ ۱۲۴۶ھ ۔ ان کے علاوہ بھی ہملٹن کے کتب خانے کی کتابیں یہاں ہیں۔

مانچسٹر میں قلّتِ وقت اور عربی مخطوطات کے مطالعے کی وجہ سے عشق کے اس فارسی دیوان کی طرف زیادہ توجہ کا موقع نہیں مل سکا ۔ لیکن اپریل ۱۹۵۶ء میں یورپ سے واپسی کے بعد سے اب تک ایک عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اس کے خیال سے غافل نہیں رہا اور مختلف زمانوں میں اس کی مائکرو فلم یا عکس کے حصول کی کوشش میں لگا رہا۔ کبھی مولانا آزاد لائبریری کے ارباب حلّ و عقد کو متوجہ کرتا رہا۔ کبھی کتب خانۂ خدا بخش کے ڈائرکٹر کو لکھتا رہا۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے اس حد تک تعاون کیا کہ فوراً لکھا کتاب کا عکس آپ اپنے طور پر منگوا کر یہاں بھیج دیں ۔ اجرت ادا کر دی جائے گی۔ یہ کسی وجہ سے ممکن نہ ہوسکا۔ (اجرت عکس و اجرت برید میں کوئی بیس ہزار کا خرچ بتایا گیا تھا)۔ ڈاکٹر معین الدّین عقیل (کراچی یونیورسٹی) ٹوکیو یونیورسٹی میں اردو کے استاد زائر کی حیثیت سے آئے ہوئے ہیں اور تقریباً ہر سال مخطوطات و نادر مطبوعات کی تلاش اور مطالعے کے لیے یورپ ، امریکا کا سفر کرتے رہتے ہیں ۔ انھیں میں نے متوجہ کیا ۔ وہ خود مانچسٹر پہنچے ۔ نسخہ دیکھا اور مائکرو فلم بنوانے کی ہدایات کرگئے۔ انھوں نے کچھ دنوں کے بعد اطّلاع دی کہ فلم بن کر ٹوکیو آگئی ہے۔ انھوں نے چند صفحوں کے مکبّر بھی بنا کر بھیجے ۔ فلم ناقص بنی تھی اور چند صفحے تکبیر کیے ہوئے جو مجھے ملے وہ واضح نہ تھے اور انھیں پڑھنا مشکل تھا۔

میں پروفیسر نذیر احمد صاحب کا بہت ممنون ہوں جنھوں نے میری درخواست پر غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دلی کے کتب خانے کے لیے زرِ کثیر خرچ کر کے اس نادر نسخے کا بڑی تقطیع پر زیروگراف منگوا کر مجھے اس کے مطالعے کی سہولت بہم پہنچائی۔ میں جناب سیّد مظفر

حسین برنی ، اور ڈاکٹر معین الدین عقیل کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جن کی توجہ سے دیوان کا عکس جلد فراہم ہوسکا۔

پیش نظر مضمون میں صرف شاعر اور اس کے شعری مجموعے کا تعارف کرایا گیا ہے ، اور اس وقت یہی مقصود تھا۔ اس کی شاعری ، اس عہد کی زبان اور دیوان کے دوسرے پہلوؤں پر متعدد مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔ دیوان کے مندرجات کے گہرے مطالعے سے بعض مفید اور پر معلومات امور دریافت کیے جاسکتے ہیں۔ اس دیوان کی روشنی میں اس عہد کے مشاعروں اور اس وقت کی ادبی صحبتوں پر اور بنگال اور بہار میں عشق کے معاصر شعراء پر دو مضمون لکھنے کا خیال ہے۔ اگر علی گڑھ ، دہلی اور دوسرے مقامات کی جامعات کے شعبہ فارسی کے طلبا میرزا رکن الدین عشق کے قصائد ، غزلیات اور اس کے قطعات و رباعیات کی طرف توجہ کریں اور ان کے تنقیدی اڈیشن تیار کریں تو یہ یقیناً مفید علمی و ادبی خدمت ہوگی۔

حواشی

(۱) مؤلفین تذکرۂ مسرّت افزا و تذکرۂ شورش و تذکرۂ ہندی نے نام میر زین الدّین لکھا ہے، خیال ہے کہ تذکرۃ الاکابر میں بھی یہی لکھا ہوگا لیکن مصحفی نے عقدِ ثریّا میں انھیں میرزا لکھا ہے۔ خود عشق کے ایک شعر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

از ہبرِ تو خوار و زار شد عشق　　　زیں پیش وگرنہ میرزا بود

سر ولیم جونس نے بھی دیوانِ عشق کے سرورق پر انھیں میرزا زین الدّین عشق لکھا ہے۔

(۲) وہ شاہ رکن الدّین عشق کے عقیدت مندوں میں تھے۔ وہ ان کا نام ہمیشہ بڑے احترام سے لیتے ہیں۔ کہیں انھیں عارف عاشق باتزیین شاہ رکن الدّین عشق سلمہٗ تو کہیں عاشق عارف با تمکین و شیخ الشیوخ رکن الدّین عشق سلمہٗ لکھتے ہیں۔

(۳) مُشفق خواجہ صاحب کا خیال ہے کہ اس کا سالِ تالیف ۱۱۹۴ھ کے کئی سال بعد ہے۔ (رسالۂ اردو جولائی ۱۹۶۰ء)

(۴) یہ کلمات آکسفورڈ کے نسخے میں موجود نہیں

(۵) اضافہ از نسخۂ آکسفرڈ

(۶) آکسفرڈ: بخانہ

(۷) یہ دعائیہ کلمہ نسخۂ آکسفرڈ سے غیر حاضر

(۸) آکسفرڈ: نادرِ روزگار

(۹) آکسفرڈ: ہم می گویند

(۱۰) عشق کے ترجمے کا متن گورکھپور کے نسخے (مُرتّبہ محمود الٰہی زخمی) سے لیا گیا ہے جس میں اس کے دو شعر درج ہیں، نسخۂ آکسفرڈ (مُرتّبہ کلیم الدین احمد) میں چار شعر (خریدار نہ ہو / دوانہ نکل گیا / اور تحریر کر سکیں / تعمیر کر سکیں) نقل ہوئے ہیں

(۱۱) عقدِ ثریّا مُرتّبہ عبدالحق (دہلی ۱۹۳۴) میں اشعار موجود نہیں۔ قاضی عبدالودود مرحوم مجھ سے کہتے تھے کہ عبدالحق صاحب کی ہدایت پر اِس تذکرے سے اشعار نقل نہیں کرائے گئے تھے۔ فارسی نمونۂ کلام کے اندراج سے ضخامت بڑھ جاتی۔ تذکرے میں انجب کے ۸، پیام کے ۲۶ پروانہ کے ۲۰ اور بیدل کے ۴۴ شعر درج تھے وعلیٰ ہٰذا القیاس اس قطع و

برید سے تذکرہ تو ۶۴ صفحوں میں چھپ کر شائع ہوگیا لیکن قارئین بہت سے افادات سے محروم رہ گئے ۱۰ انجب کے اشعار کے ساتھ " از انتخاب دیوان اوست " کا فقرہ بھی حذف ہوگیا جس سے معلوم ہوسکتا تھا کہ ان کا دیوان مُرتّب تھا۔ پورے تذکرے میں صرف حاتم دہلوی کے ۸ شعر ملتے ہیں ۔ قاضی صاحب کا بیان ہے کہ انھوں نے پھر بھی حاتم دہلوی کے ۱۵ شعر نقل کرادیے تھے کلام کی نُدرت و نایابی کی وجہ سے ۔{اس وقت ۱۹۳۳ء تک دیوان زادہ فارسی مفقود تھا ۔ اس کا انکشاف راقم نے ۱۹۴۹ء میں کیا اور کلام کا انتخاب علی گڑھ میگزین (۱۹۶۰ء) میں شائع کیا} حاتم کے ۱۵ شعروں میں تذکرۂ مطبوعہ میں صرف ۸ شعر درج ہیں ۔ بقیہ ، شعر پھر بھی حذف کر دیے گئے۔

(۱۲) خلاصۂ تذکرۃ الاکابر شائع کردہ جناب قاضی عبدالودود معاصر ۔ حصّہ ۱۸ (جولائی ۱۹۶۲ء)

(۱۳) عجائب گھر لاہور کے ذخیرۂ منہاس کے ایک مخطوطے (شمار ۵۴ / ۱۴۶) سے " سفینۂ خانِ عالی شان محمدؐ قباد خان " کی اطلاع ملتی ہے جس سے کسی نے اپنے ذوق کے کچھ معلومات (جمعِ ممالکِ محروسہ دستور العملِ صوبجات ۔ " ہیئت السّیاق " کے کچھ اقتباسات اور بعض مغل بادشاہوں کی تاریخِ ولادت وغیرہ) جمع کر دیے ہیں۔ اس کا امکان ہے کہ صاحب سفینہ " خان عالی شان محمدؐ قباد خاں " میرزا زین الدّین عشق کے عمِ محترم ہوں : (فہرست جلد دوم ص ۱۶ مرتبہ رشید احمد لاہور ۱۹۰۷ء) ۔

(۱۴) بھگوان داس : سفینۂ ہندی ۔ ص ۰۰ ۔

(۱۵) تذکرۂ بے نظیر ص ۱۰۴

(۱۶) دیوان میں ایک غزل کا عنوان ہے : غزلِ عاشقانہ در شاجہان آباد وِرود یافتہ ۱۱۶۷ء " ایک دوسری غزل خانہ داشت / دیوانہ داشت سے پہلے یہ فقرہ لکھا ہوا ملتا ہے : " غزل عاشقانہ در شاجہاں آباد وِرود یافتہ ۱۱۶۹ھ " ۔ ایک اور غزل گلرو بچشم من نشست / آہو بچشم من نشست کا عنوان ہے : " غزلِ پُر کار ایجادی در شاجہاں آباد نزول یافتہ ۱۱۷۸ھ " ۔ اب یا تو مرزا کم از کم ۱۱۷۸ھ تک دہلی میں مقیم رہے یا ۱۱۶۷ھ میں انھوں نے دہلی چھوڑ دی لیکن مشاعروں میں یا کسی اور وجہ سے وہ ۱۱۷۸ھ تک دہلی آتے رہے۔

(۱۷) یہ ملحوظِ خاطر رہے کہ مصحفی بعد کو بھی اس میں اضافے کرتے رہے چنانچہ اس میں ۱۲۱۲ھ اور ۱۲۱۳ھ کے سنین بھی پائے جاتے ہیں۔ جس وقت مصحفی زین الدّین عشق کے حالات لکھ رہے تھے اس وقت صاحب ترجمہ زندہ تھے لیکن یہ نہیں معلوم کہ وہ ان کا

ترجمہ کب لکھ رہے تھے۔

(۱۸) Warren Hastings ۱۷۷۳ء میں ہندستان کا پہلا گورنر جنرل، مقرر ہوا۔ اس نے ۱۷۸۵ء میں استعفا دیا اور انگلستان چلا گیا۔

(۱۹) نو شعروں کی اس غزل کا مقطع ہے:

مستانہ بخور بادہ کہ اے عشق تو داری　　لب مست و سخن مست و زباں مست و بیاں مست

(۲۰) لکھنؤ سے خوش نظر نہیں آتے:

زیں شہرِ سفلہ پرور تنگ آمدیم و رفتیم　　از ما دعائے خیرے یاران لکھنؤ را

(۲۱) تذکرۂ مردم دیدہ ، ۱۶۳ میں نام آغز خاں بہادر ترک جنگ لکھا ہے۔ گُلِ رعنا میں بھی یہی ہے۔ حاکم صاحبِ تذکرہ ۱۱۵۱ھ میں دہلی میں ان سے ملے تھے۔ انھیں صاحبِ دیوانِ ضخیم لکھا ہے۔ تذکرۂ گلشنِ مشتاق (مؤلفہ قاضی حافظ علی مشتاق صدیقی ملیح آبادی) میں بقول جناب مشفق خواجہ اعز خاں دیدہ نام لکھا ہے (ورق ۳۰ ب)

(۲۲) پہلے محذوف لکھا تھا بعد کو اسے قلمزد کر کے مقصور بنایا ہے۔

(۲۳) اس قصیدے کا نام گلزارِ مدحِ حیدری ہے اور یہ ۱۱۸۰ء میں لکھا گیا۔

(۲۴) اس قصیدہ رائیہ میں دو مصرعوں کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے اور ایک شعر میں ابتدائی دو تین لفظوں کی جگہ بیاض ہے۔ کاتب دیوان سے ظاہراً الفاظ نہیں پڑھے گئے۔

(۲۵) قصیدۂ دالیہ کے بعد موجودہ قلمی نسخے میں ترجیع بند، نوحے اور قطعات ہیں پھر قصیدہ میمیہ کا اندراج ہے۔ اس کے بعد ۱۴ قطعات درج کرنے کے بعد دو قصیدے نقل کیے گئے ہیں۔ ان کے بعد پھر قطعات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ راقم نے قصائد کا ذکر ایک جگہ کر دیا ہے۔

(۲۶) ہزار بارہ سو صفحات کے دیوان میں لفظ "مُرقّع" تلاش کرنا ایک مشکل امر تھا لیکن یہ لفظ ردیف دال کی ایک غزل میں مل گیا۔ مطلع ہے:

ہر کہ از دولتِ عشقِ تو "مُرقّع" باشد　　داغِ سودا بسرش تاجِ مُرصّع باشد

ایک اور جگہ قافیے میں لفظ "مُرقّع" آیا ہے:

گستردہ یکے مسند و سجّادہ مجلس　　از نذرِ مریداں شدہ در عرش "مُرقّع"

(۲۷) اس کے بعد کی کچھ قابلِ ذکر غزلیں یہ ہیں: غزلِ عاشقانہ طرحی ۱۱۶۸ھ حرام است/کدام است
در تتبعِ کمال خجندی ۱۱۸۲ء فدای تست / جای تست
غزلِ ایجادی نزول یافتہ ۱۱۶۹ھ خیالش دیدنی ست / جمالش دیدنی ست
غزلِ طرحی ۱۱۷۸ھ نمای من ست / دریای من است
در تتبعِ شفائی ۱۱۸۴ھ بیداد ہمین است / فریاد ہمین است
در تتبعِ خواجہ غیب اللسان (کذا) ۱۱۸۹ھ سرشت / کشت
غزلِ طرحی ۱۱۸۹ھ سالوس ہمانست / محبوس ہمانست
غزل در تتبعِ خواجہ ۱۱۸۹ھ اوصافست / الطافست
ایضاً ۱۱۸۹ھ دل و جاں ایں ہمہ نیست / روح و رواں ایں ہمہ نیست
این غزلِ ایجادی در بریلی وِرود یافتہ ۱۱۸۶ھ نے لبوخت / وے لبوخت

(۲۸) اس کے بعد کی کچھ غزلوں کے اندراجات پیش ہیں:
غزل در تتبعِ قزلباش خاں امید ۱۱۵۵ھ یار از دست رفت / نگار از دست رفت
غزلِ ایجادی در آنولہ نزول یافتہ ۱۱۸۱ھ شاد گر کنی چہ خوشست / آباد گر کنی چہ خوشست
غزلِ عاشقانہ در موضع حِصار گفتہ شد ۱۱۷۶ھ نیاز دیگر است / بناز دیگر است
غزلِ عاشقانہ در شاہجہاں آباد ورود یافتہ ۱۱۶۷ھ
غزل در سامانہ نزول یافتہ ۱۱۷۲ھ ما ندانست / صفا ندانست
غزل در تتبعِ خواجہ در سہرند ۱۱۶۱ھ جانانِ منست / پریشانِ منست
در لکھنؤ گفتہ شد ۱۱۸۹ھ نرگس شہلا قیامتست / اداہا قیامتست
غزلِ مستعد پُر کار در تتبعِ صائب بمقام کیتھل ۱۱۸۸ھ لقاے من یکسیت / آشناے من یکسیت
غزلِ عاشقانہ در شاہجہاں آباد ورود یافتہ ۱۱۶۹ھ خانہ داشت / دیوانہ داشت
غزل در حانسی (ہانسی) حِصار وِرود یافتہ ۱۱۷۶ھ رواجے نیست / احتیاجے نیست
غزلِ عاشقانہ عارفانہ در قصبۂ تسام (سنام؟) نزول یافتہ ۱۱۸۱ھ قدم نامحرم ست / دم نامحرم ست
قطعہ بند در شاہجہاں آباد نزول یافتہ ۱۱۶۶ھ مینا نمیست / برپا نیست
غزل در قصبۂ کیتھل وِرود یافتہ ۱۱۸۵ھ فنائے من است / بقاے من است
غزل در کرنال وِرود یافتہ ۱۱۷۱ھ خیرہ منست / تیرہ من ست

غزلِ طرحی مشاعرۂ عظیم آباد بر غزلِ صائب
حاصل ست / مشکل ست

غزل در شاجہاں آباد نزول یافتہ ۱۱۶۰ھ شمار تست / کار تست

غزلِ پُر کار ایجادی در شاہ جہاں آباد نزول یافتہ ۱۱۰۸ھ گلرو بچشمِ من نشست / آہو بچشمِ من نشست

استدراک

۱۔ صفحہ ۳۸۵ سطر ۹ : تذکرہ نتائج الافکار مؤلفہ قدرت اللہ گوپاموی میں ہے کہ میرزا زین الدین نے تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں وفات پائی ۔ یہاں کوئی حوالہ درج نہیں ۔ میرا قیاس ہے کہ مولف کا مرجع قاضی محمد صادق اختر (م ۱۸۵۷ء) کا تذکرہ "آفتاب عالمتاب" (۱۲۳۸ھ۔ ۱۲۶۹ھ) ہوگا۔ اس کا نسخہ منحصر بفرد شمس آباد (فرخ آباد) میں ایک ذاتی کتاب خانے میں محفوظ ہے جس سے اس وقت رجوع کرنا دشوار ہے۔

۲۔ صفحہ ۴۰۱ سطر ۸ ۱۸۰۰: ۱۴۰۰ دیوان عشق (نسخہ مانچسٹر) میں مقام کا نام "عطر چھنڈی" اور "بن گھر" لکھا ہوا ہے۔ فاضل معاصر ڈاکٹر نجم الاسلام تحریر فرماتے ہیں کہ صحیح نام "اتر چھینڈی" ہے۔ یہ مقام آنولہ ضلع بدایوں سے ایک دو کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ آنولہ اس وقت ایک روہیلہ سردار کا صدر مقام تھا۔ اسی طرح "بن گھر" دراصل "بن گڑھ" ہے۔ روہیلوں کی تاریخ میں اس جگہ کا نام آتا ہے۔

۳۔ صفحہ ۴۰۳ سطر ۱۷ : میرزا زین الدین نے جہاں جہاں بھی حافظ شیرازی کا نام آیا ہے انھیں "غیب اللسان" لکھا ہے۔ وہ "لسان الغیب" لکھنا چاہتے ہوں گے۔

۴۔ دیوان میں ۱۹ قطعات ہیں۔ ان میں جن اصحاب کا ذکر ہے ان میں خان عبداللہ (قطعہ ۳) ، ملّا صالح (قطعہ ۴) ، محمد علی فقیہ مجتہد (قطعہ ۵) ، جعفر خان (قطعہ ۱۶) کی شخصیتوں کا بھی تعین نہیں کرسکا ہوں۔ قطعہ ۱۸ کے متعدد اصحاب کا ذکر ایک علیحدہ مضمون میں کیا جا رہا ہے۔

۵۔ صفحہ ۴۲۱ سطر ۲۲ : حاشیہ (۱۳) محمّد عالم مختار حق صاحب (لاہور) کا ممنون ہوں جن کی توجہ سے "سفینۂ خانِ عالی شان محمّد قباد خان جیو" کے کچھ اقتباسات کی عکسی نقل حاصل ہوئی۔

۶۔ صفحہ ۴۲۵ سطر ۱۱ : میرزا عشق ، آخر دیوان میں رباعیوں کی تمہید میں لکھتے ہیں :

"خاکسار بعون قادر اسم ہر بحر مفصل مطا [بق] قاعدہ عروضیاں دریں دیوان مرقوم کردہ و در بیست و چہار تقطیع قرار دادہ مولوی رباعیات مشق کردہ ....

در ہر تقطیع رباعی مکمّل بزبان فارسی و زبان ہندی اوردوی معلّائے نامی تخت شاہجہاں آباد مشق کردہ ۰ امید داد رسی مشّاقی از سخن سنجان انصاف آمین دوراں دارد " (f.447a)۔

اس جگہ دیوان میں تو ساری رباعیاں اور قطعات فارسی میں ہیں اردو میں ایک بھی نہیں، یہ ممکن ہے کہ اصل کتاب " مجمع الابحار " میں ہوں۔ دیوان میں تو صرف اس کا خلاصہ درج کیا ہے۔ ہاں ہمیں دو فارسی قطعات میں ایک ایک مصرع اردو کا ضرور ملتا ہے۔ یہ بعد کو حاشیے میں درج کیے گئے ہیں اور عجب نہیں کہ بخطِّ مصنف ہوں:

۱۔ دوش ہندو زنے دو چارم شد — گفتمش مست کردی ام بے مے
گفت خندیدہ با زنانِ دگر — " یہ مُغلوا مُوا دوانا ہے "

۲۔ راہِ ہندو زنے گرفتہ شدم — محوگشتم ز دیدنِ رخِ او
چین بر ابرو زد و بناز بگفت — " چل مری راہ سے کنارے ہو "

مجمع الابحار کا سال تالیف ۱۱۹۹ھ ہے۔

کلیاتِ عشق کے چند صفحات کا عکس

آخر میں کلیات عشق (قلمی) کے پانچ صفحات کا عکس بھی شامل کیا جاتا ہے۔ اس میں وہ دو صفحات بھی شامل ہیں جن کے حاشیے پر دو اردو آمیز قطعات آتے ہیں۔ بقول صاحب مقالہ، یہ امکاناً بخطّ شاعر ہیں۔

[illegible]

جان و جهان مست و ملکوت همه مست — ما مست و سماوات و زمین [illegible] مست

نوش [illegible] که ز نور [illegible] ما مست — دل مست و جگر مست و [illegible] مست

مستیم و [illegible] — دم مست و قدم مست و [illegible]

ساقی قدحی ده به مستان که ایشان — مست [illegible] مست [illegible]

شور است [illegible] — خور مست و قمر مست و [illegible]

هستند درین میکده رندان [illegible] — مست و [illegible]

رندانه [illegible] که در میکده [illegible] — [illegible] مست

هشیار [illegible] ندیدیم کسی را — [illegible] مست

مستانه [illegible] باده [illegible] — لب مست و [illegible]

[illegible]

داغ سودا نتواند و چنانکه گیرد دل | صاحب کیف و کم و بیش تر از نه فلک است

در میخانه توحید او بندد طلسمات | آنکه در حکمت و دانش هزار افلاطون است

رکن دین آمد برهان طریق نبوی | که از او روی [illegible] یار [illegible]

اسم صورت وصل عرفا که در حرم حضور | موج زن [illegible] قطره [illegible] رضوان [illegible]

پاک برداشته گرد ملال از دین | از پی [illegible] دامها حکمت حالی

بنای عشق شد آنکس که در افتاد حرمش | یار تا سر ز تو جان و دل او کنون است

بحر زلال [illegible] مقصود مقطوع با عارفین معانی [illegible]

در زمین تبریز [illegible] | جای پاکیت و [illegible] عالم [illegible]

سجده کردن [illegible] | در خرابات [illegible]

ساقیا در صراحی و جام | شیره جانست [illegible]

هرکه صحبت بدبخت زر دارد | کی به بند قبول [illegible]

[illegible] | خوش [illegible]

آیهٔ رحمت حقی که درین دور جهان — آنکه در سایهٔ لطف تو بود آسوده است

جمع همسر نتوان کرد که خاک است تو — طینت دور سپهر کاسهٔ او [illegible]

در دل هر رخت از غبت کشیده جدول — هر بن موی ترا وسعت [illegible]

سالک از زندگی دیوانه چو خو می‌گردد — نکه جذب ترا خاصیت افیون است

مستی [illegible] از کلام تو رسیده است نمی — ز لطافات حسن [illegible] مشحون است

معنیت در صدف لفظ در نایاب است — موج طبعت روانی چو در مکنون است

فکرت کمند که بالا بکند دل — دام بر چیده [illegible] مضمون است

ذلک [illegible] دیوانه تو باشد [illegible] — که طبعت ز لطافت نسیم [illegible]

خوب سنجیدم و فهمیدم و دانا ام — که کلام تو مصفا چو در مکنون است

[illegible] جهان [illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] تا افلاک — سالک [illegible] خدا از کرمت [illegible]

بحر اخرب مقبوض سالم مزدوج — مفعول مفاعلن مفاعیلن فع

عبدم بشمار طاعت من این — دل مفت بپیر کفایت من این

گفت از دم عاشقی زنی خواهم — گفتم که ببخش سعادت من این

بحر اخرب مقبوض مکفوف مزدوج — مفعول مفاعلن مفاعیل

ذاتی که ز صنع خویش جان داد مرا — میخواست دلم هر آنچه آن داد

از بهر ستایش الوهیت خود — کام و لب و لهجه و زبان داد

بحر اخرب مقبوض سالم ممنوع — مفعول مفاعلن مفاعیلن

ذاتی که دلی و دلبری پیدا کرد — با هم عرضی و جوهری پیدا کرد

بر دانه نهال و لعل بر خارا داد — وز قطره آب گوهری پیدا کرد

بحر اخرب مقبوض سالم منحور — مفعول مفاعلن مفاعیلن

یارب اثری محبتی عرفانی — علمی عملی ولایتی ایمانی

از بهر محمد رسول خاتم — لطفی کرمی عنایتی احسانی

[illegible]

بحر اخرب مقبوض مکفوف ممنوع	مفعول مفاعلن مفاعیل فعول
در پرده سخن بسیار زیباست مرا	دیدن رخ خوب او چه یار است مرا
ای آئینه دار گشت مشاطهٔ او	میدید بسوی خویش ونیخواست مرا
بحر اخرب مقبوض سالم منحور	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
زین پیش باوج لامکان می بودم	از پردهٔ غیب آمدم موجودم
باشد دو نقاب بودن و نابودن	کنجیت خفی تجلئ معبودم
بحر اخرب مقبوض مکفوف ممنوع	مفعول مفاعلن مفاعیل فعول
اشیا همه مخبر کمالات ازو	عاشق همه طالب وصالات ازو
مهری که بزرگ پرتو انداخت عیان	جز لطف و کرم چه احتمالات ازو
بحر اخرب مقبوض سالم منحور	مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
ای صدرنشین انبیا محبوبی	دین را همای اولیا مرغوبی
منظور حقی و حق بود منظورت	دریافته ام که طالب و مطلوبی

[illegible]

ڈاکٹر مختار الدّین احمد :

امیر قابوس بن وشمگیر

امیر شمس المعالی ابوالحسن قابوس بن ابی طاہر وشمگیر بن زیّار بن وردان شاہ جیلی، جرجان اور طبرستان کا نامور حاکم گزرا ہے جو بنو زیّار کا چوتھا فرماں روا تھا۔ رے، اصبہان، جرجان اور آس پاس کے بلاد کی سلطنت قابوس بن وشمگیر کے چچا ابو الحجّاج مرد آویج (۱) بن زیّار نے ۳۱۹ء میں قائم کی تھی۔ آل زیّار کا آخری فرماں روا گیلان شاہ تھا جس نے ۴۷۰ھ میں وفات پائی۔ یہ حکومت کوئی ڈیڑھ سو سال قائم رہی۔ مرد آویج ایک جلیل القدر بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے اَسفار بن شیرویہ پر (جس کا وہ ایک اہم معاصر تھا) حملہ کر کے، اور اسے شکست دے کر تاج و تخت حاصل کیا تھا۔ اس کی جلالت شان کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہوگا کہ عماد الدّولہ ابوالحسن علی بن بویہ (متوفی ۳۳۸ھ) جس نے بعد کو بلادِ فارس میں ایک زبردست سلطنت قائم کی، مرد آویج کے اَتباع و امراء میں تھا۔ اس کی وفات ۳۱۶ھ کے بعد اس کا بھائی امیر ابو طاہر وشمگیر تخت نشین ہوا اور اس کی وفات (محرّم ۳۳۰ھ) کے بعد اس کے بیٹے ظہیر الدّین ابو منصور بہستُون کو حکومت وراثت میں ملی۔ ۳۶۶ھ میں ایک فوجی سازش کے تحت حکومت قابوس بن وشمگیر کو پیش کی گئی اور وہ جرجان و طبرستان کے فرماں روا کی حیثیت سے اپنے بھائی کا جانشین قرار پایا۔ خلیفۂ عبّاسی الطائع للہ نے اسے خلعتِ فاخرہ سے نوازا، طبرستان و جرجان پر حکومت کرنے کا پروانہ بھیجا۔ اور شمس المعالی کے لقب سے ملقّب کیا۔ جب بویہی امیر فخر الدّولہ (متوفی ۳۸۷ھ) کا اپنے بھائی عضدالدّولہ (مُتوفّی ۳۷۲ھ) سے تنازعہ ہوا اور عضدالدّولہ نے ۳۶۹ھ میں اسے ساری سلطنت سے محروم کر دیا تو فخر الدّولہ نے قابوس بن وشمگیر کے ہاں پناہ لی۔ چوں کہ قابوس نے اسے، فاتح بھائی کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لیے عضد الدّولہ نے اس کے خلاف فوج کشی کی اور وہ ۳۷۱ھ میں شکست کھا کر نیشا پور چلا گیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد عضدالدّولہ کے بغداد میں فوت ہوجانے پر ۳۷۲ھ میں فخر الدّولہ نے جرجان اور طبرستان کو بتدریج فتح کرلیا۔ وہ تو یہ چاہتا تھا کہ قابوس کا ملک اس کے حوالے کر دے لیکن اس کے وزیر الصاحب بن عبّاد (مُتوفّی ۳۸۵ھ) نے اسے مشورہ دیا کہ یہ ملک بھی وہ

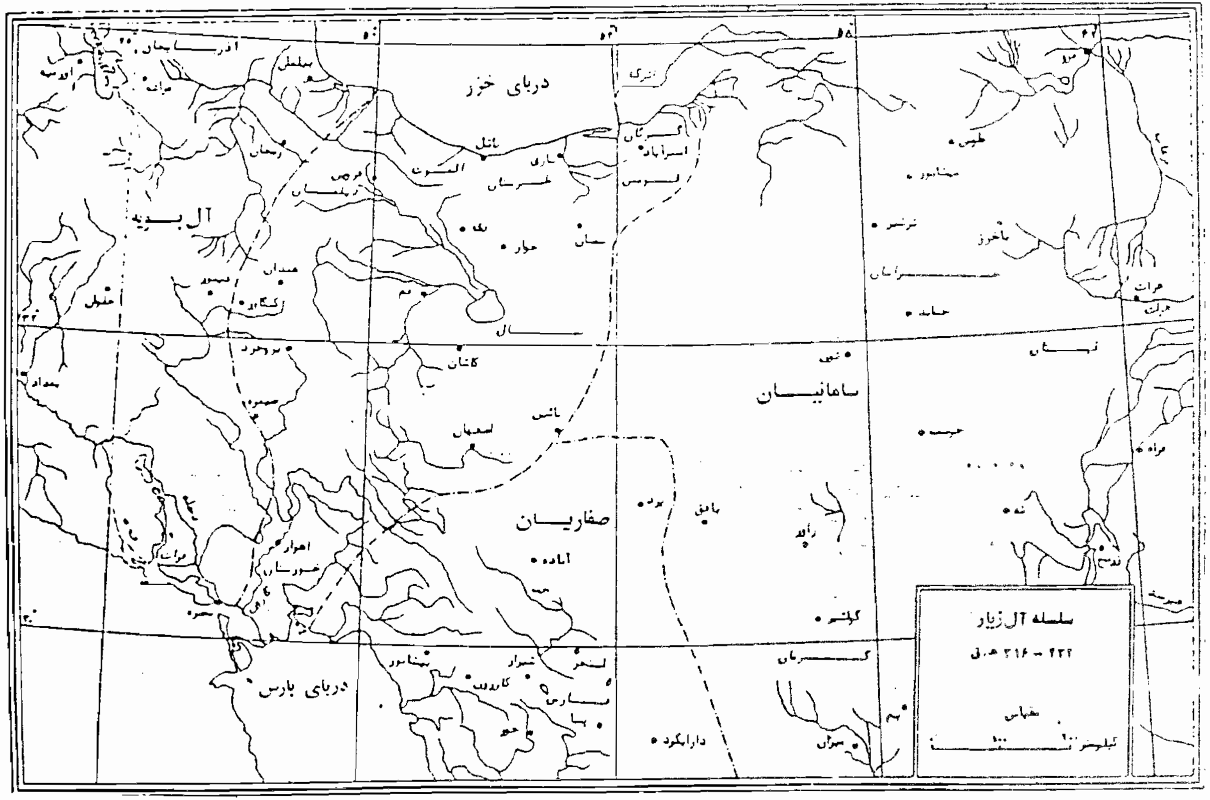

سلطنت آل زیار (از ۳۱۶ تا ۴۳۴ هـ)

بتشکر حسین عماری

اپنے ہی قبضے میں رہنے دے۔ بہرحال فخر الدّولہ کی وفات اور سترہ سال کی جلاوطنی کے بعد شعبان ۳۸۸ھ میں قابوس نے جرجان واپس آکر حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی اور دوبارہ اپنی آبائی سلطنت حاصل کرلی۔ (دائرۂ معارف اسلامیہ ۱۶ / ۲) جس پر اپنی وفات سے کچھ دن پہلے تک وہ قابض رہا۔

قابوس بن وشمگیر مجموعۂ محاسن تھا۔ وہ جری، شجاع، سخی اور دُور اندیش تھا۔ گہری سیاسی بصیرت رکھتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ مغلوب الغضب، جابر و متکبّر اور بے رحم بھی تھا، عفو و کرم کے صفات سے عاری، بقول دولت شاہ " اورا در ریختنِ خون حرصے تمام بودہ"۔ مرعشی کا بیان ہے: " شمس المعالی ہرچند عادل بود امّا بے حد سیاست میکرد، بد خوی بود چناں چہ از سطوت او ہیچ کس ایمن نبود " ۔ (تاریخِ طبرستان ص ۱۴۱) خود کیکاؤس لکھتا ہے: " وے مردے سخت قتّال بودہ و گناہِ ہیچ کس را عفو نتوانستے کردن " (قابوس نامہ ص ۸۵)۔ یاقوت الحموی کا بیان بھی دیکھا جائے۔ (معجم الادباء ۱۶ / ۲۳۱)۔ اتنے امراء و خدم و حواشی کو اس نے ہلاک کیا کہ اس کی حکومت کے آخری دور میں اس کی فوج اور ارکان دولت اس سے برگشتہ ہوگئے اور اس کے امرائے خاص بھی اس سے مُتوحّش اور خوف زدہ رہنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک منزل ایسی آگئی جب اس کی حکومت کے اہم کارکن اس سے بغاوت پر آمادہ ہوگئے اور فوج کے سرداروں اور سپہ سالاروں نے اسے معاملاتِ حکومت سے سبکدوش کر دینے کا فیصلہ کرلیا۔ قابوس کے خلاف سازش ہوتی رہی اور وہ اپنے دارالسلطنت جرجان سے دور بے یقینی اور بہت حد تک بے خبری کی حالت میں جناشک (۲) کے قلعے میں مقیم رہا۔ باغیوں نے قابوس کے بیٹے ابو منصور منوچہر کو جو طبرستان میں مقیم تھا پیغام بھیجا کہ سارے لوگ اسے قابوس کی جگہ بادشاہ بنانے، اس سے بیعت لینے اور اس کی اطاعت کے لیے تیار ہیں۔ بشرطیکہ قابوس تاج و تخت سے کنارہ کش ہوجائے۔ منوچہر صورتِ حال کی نزاکت دیکھ کر اس کے تدارک کے لیے فوراً جرجان پہنچا تو اُمورِ سلطنت کو پریشان و آشفتہ حال اور سربراہانِ فوج و اراکینِ سلطنت کو قابوس سے مُتنفّر اور سخت بیزار پایا۔ لوگوں کو منوچہر کی اطاعت پر اِتّفاق تھا، اس شرط کے ساتھ کہ قابوس، حکومت سے کنارہ کش ہو کر زمامِ حکومت اپنے بیٹے منوچہر کے حوالے کر دے، ملک کے حالات اتنے بگڑ گئے تھے کہ اگر منوچہر جرجان کے باغیوں کی بات نہیں مانتا تو سلطنت اس کے خاندان سے نکل کر کہیں اور پہنچ جاتی۔ کیکاؤس لکھتا ہے: " از آنکہ لشکر گفتند: کہ اگر تو درین کار یار ما نباشی، ما این ملک را بہ بیگانہ دہیم "۔

امیر قابوس کو جب اطلاع ملی کہ حالات بگڑ چکے ہیں اور لوگ عناد و فساد پر مجتمع ہیں تو مال و اسباب اور کچھ خاص خاص لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر بسطام کی طرف چلا گیا اور منتظر رہا کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں، منوچہر پریشان و مضطرب باپ کے پاس حاضر ہوکر قدم بوس ہوا۔ باپ کی حالت دیکھ کر اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اس نے صورت حال سے اسے آگاہ کیا۔ وہ قابوس اور اس کے دشمنوں کے درمیان حائل ہونے پر بھی آمادہ تھا اور اس کے دفاع میں اپنی جان دینے کو بھی تیار تھا۔ یہ بعض مصادر میں ہے لیکن کچھ مصادر بغاوت میں منوچہر کی بھی شرکت کا ذکر کرتے ہیں۔ قابوس کے پوتے کیکاؤس کا بیان اس موقع پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ (وسے بیامد و پدر خویش شمس المعالی رابگرفت " بہ ضرورت " ۔ " بہ ضرورت " از جہتِ ملک این کار بکرد " (قابوس نامہ ص ۸۵) یہاں " بضرورت " کا لفظ خوب استعمال ہوا ہے، نیز، دیکھیے معجم الادبا، ۱۶ / ۲۲۱ ۔ قابوس بہت زیرک و دانا اور تجربہ کار حکمراں تھا، اسے اندازہ ہوگیا کہ ہوا کا رخ بدل چکا ہے اور اسے یہ بھی خیال ہوا کہ اس کے بعد آخر منوچہر ہی کو اس کا جانشین ہونا ہے۔ اس نے بلا توقف خاتم مملکت اپنے ہاتھ سے اتار کر بیٹے کو پہنا دی ۔ طے یہ ہوا کہ منوچہر پایۂ تخت جرجان جاکر سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لے اور امراواور لشکریوں کی تالیفِ قلب میں مشغول ہو اور قابوس کنارہ کش ہو کر عبادت الہیٰ میں مصروف ہو۔ قابوس نے اپنے قیام کے لیے قلعۂ جناشک (۳) کا انتخاب موزوں سمجھا، وہ وہاں جاکر مقیم ہوگیا۔ لیکن کچھ امراء اور لشکری قابوس کو اپنے لیے اب بھی ایک مستقل خطرہ تصور کرتے رہے۔ اس کے گرم کپڑے اس سے چھین لیے گئے اور آخر سخت ٹھنڈک اور برف باری کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس کی وفات ۴۰۳ھ کو ہوئی۔ اسے جرجان میں اس گنبد میں دفن کیا گیا جسے بتصریح مؤرخ معاصر ابو سعید الابی (متوفی ۴۲۱ھ) معجم الادباء ۶ / ۱۵۰) اس نے خود اپنی زندگی میں مقبرے کے لیے ۳۹۲ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ گنبدِ قابوس اب بھی موجود ہے۔ اس پر دس خوش نما سطور میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم / ھذا القصر العالی للامیر شمس المعالی / الامیر بن الامیر / قابوس بن وشمگیر / اُمر ببنائہ فی حیاتہ / سنتہ سبع و تسعین / و ثلثمائتہ قمریہ / و سنتہ خمس و سبعین / و ثلثمائتہ شمسیتہ (۴)۔ ایک جرمن فاضل نے برلن سے ۱۹۱۸ء میں ایک کتاب شائع کی ہے جس میں سیر قابوس کا مفصّل حال لکھا ہے اور گنبد کا عکس بھی شائع کیا ہے۔ منورسکی نے اپنے مضمون " مازندران " (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۳ / ۴۹۱) میں اس کتاب سے مدد لی ہے۔ فہرست آثار و ابنیہ تاریخی

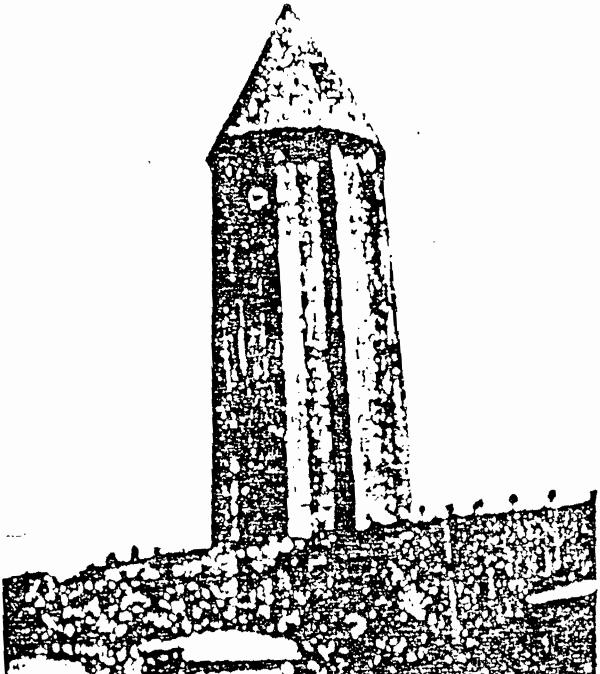

گنبد قابوس بن وشمگیر
(تاریخ بنا ۳۹۷ هـ)

بشکریهٔ آقای ایرج افشار

ایران میں بھی جسے چند سال پہلے انجمنِ آثارِ ملّی ایران نے شائع کیا ہے گنبد قابوس کے بارے میں اطلاعات ملتی ہیں۔ تفصیلات یادداشتہائے قزوینی ۲۰۰/۳ میں دیکھی جائیں۔

دولت شاہ نے لکھا ہے کہ جب قابوس کو گرفتار کرکے عبداللہ جمّاز (قابوس نامہ میں نام "عبداللہ جمّازہ بان") کے حوالے کیا گیا کہ اسے قلعے میں محبوس کردے، تو راستے میں قابوس نے اس سے واقعات کی صحیح صورتِ حال پوچھی کہ یہ سب کس طرح ہوا۔ اس نے جواب میں کہا: اے امیر تو مردِ مرا بسیاری کشتی"۔ ازیں جہت ترا حبس کردیم" امیر قابوس نے کہا: خلاف این است کہ من مردم را کمتر می کشتم، ازین جہت بدین بلا گرفتار شدم، اگر مردم بسیار کشتی اوّل ترا می کشتم تا امروز بدین خواری بدستِ تو گرفتار نمی شدم"۔ (تذکرۃ الشعراء ص ۵۶)۔

اس روایت کی تصدیق قابوس کے پوتے کیکاؤس کے بیان سے بھی ہوتی ہے اگرچہ فقرات و الفاظ میں کچھ فرق ہے: "شمس المعالی گفت یا عبداللہ ہیچ دانی کہ بدین بزرگی شغلے برفت ومن نتوانستم دانست؟ عبداللہ گفت: این کار را فلاں و فلاں کردند، پنج سپہ سالارؔ نام (۵) بردکہ این شغل بکردند و لشکررا بفریفتند ... لیکن تو این کار از خودبین کہ ترا این شغل از کشتن بسیار افتاد نہ از کشتن لشکر۔ شمس المعالی گفت: تو غلط کردہٗ، مرا این شغل از مردم ناکشتن افتاد، اگر این شغل برعقل رفتے، ترا با این پنج کس می بایست کشتن، واگراین چنین کردمے، کارمن بصلاح بودے و من بسلامت بودمے"۔ (قابوس نامہ ص ۸۶)۔

بہرحال قابوس کے کچھ امراء اور لشکریوں کی اس کے بارے میں جو بھی رائے ہو، لیکن تاریخ کے صفحات اس کے فضائل و محاسن کے گواہ ہیں۔ کچھ مُصنّفین و مؤرّخین کی رائیں یہاں درج کی جاتی ہیں:

ابراہیم بن ہلال الصابی (مُتوفیّ ۔۔ھ) ، انَّ الامیر الجلیل شمس المعالی بلغ من العلم بأنواع الفلسفۃ مالم یبلغ الحکیمان افلاطن و ارسطا طالیس و نالَ خصوصاً من علم الہیئۃ والاحکام ممالم ینلہ الفاضلان ارشمیدس و بطلیموس ... واَمّا حدیث الفروسیۃ والبأس وذکر الرزانات والتّراس فقد عبر فی وجوہ اصناف النّاس ... فللہ ہذہ الفضائل، کیف حازہا الامیرا الجلیل حتی صارت فی حیّز المعجزو واباً لہذہ المناقب کیف جمعہا شمس المعالی حتّی عدّ فی حدّ المعمور"۔ (تاریخ طبرستان مؤلفہ ابن اسفندیار الکاتب ۱/ ۱۶۶)۔

العتبی (مُتوفیّ ۴۲۰ھ) فللہ شمس المعالی فی بمہ لہ بین الجرۃ مجراباوفی بحار الکرم مجراہا و رسابا، فلم یسمع فی شیوخ الملوک باشرف منہ قیمۃً واوطف دیمۃً واکرم شیمۃً واصدق

بارقـةٌ مشيمـةً و اوفر عقلاً و تحصيلاً و اظهر جملـةً و تفصيلاً " (فتح الوہبی ۲ / ۱۵)۔

الثعالبـی (مُتوفّی ۴۲۹ھ) : خاتم الملوک ، وغرّة الزمان ، و ينبوع العدل والاحسان ، ومن جمعَ الله سبحانه له الى عزّة العلم بسطة القلم ، والى فصل الحكمـة نفاذ الحكم ، فاوصافه لاتدرک بالعبارات ولا تدخل تحت العرف والعادات " ۔ (يتيمـة الدهر ۴ / ۵۹)۔

جربادقانی (مُتوفّی بعداز ۶۰۳ھ) : شمس المعالی درایّام خویش از ملوک اطراف واکابرِ اقطار جہان بشرفِ نفس و مکارمِ اخلاق و وفورِ عقل و محاسنِ شیم و کمالِ فضل وجلالت قدر مستثنیٰ بود و بر منہاجِ حکمت و قضیّت دینِ مستقیم ، واز التفات بانواع معارف و بلای منزّہ و مبرّا ۔ و شمس المعالی بسمتِ عدل و رافت وانصاف و معدلت آراستہ بود و براہتمام بحالِ رعیّت و اعتنار بمصالح زبردست حریص " ۔ (ترجمۂ تاریخ یمینی از ابوالشّرف ناصح بن ظفر جربادقانی ص ۲۰۵)۔

ابن اسفند یار (مُتوفّی بعد از ۶۱۳ھ): ہرکہ خواہد جلالتِ قدرِ قابوس وشمگیر بشناسد تصانیف ثعالبی و کتابِ یمینی عتبی مطالعہ باید فرمود تا غزارات فضل و سخاوت و بذل و کمالِ عقلِ او بداند ۔ " (تاریخِ طبرستان ۱ / ۱۳۲)۔

محمّد عوفی (مُتوفّی بعد از ۶۲۸ھ)۔ امیر قابوس ... فضلای روزگار و مردان روزگار کہ از تیغِ زبان و زبانِ تیغِ او سر بخط آوردہ ، کرم و مروّت ذکاء و فطنت در ذاتِ مبارکِ او جمع آمدہ :

لیس من الله بمستنکرٍ ان یجمعَ العالم فی واحد

... امیر قابوس دریا دل ، ابردست ، کانِ احسان بود ۔ درکرم چنان گشادہ بنان بود کہ فضلای عالم متاعِ فضل بدرِ او می بردند و بارِ دانش در حضرتِ او می گشادند"۔ (لباب الالباب ص ۳۰ ، ۳۱)۔

ابنِ خلکان (مُتوفّی ۶۸۱ھ) " کان من محاسن الدنیا و بہجتہا ، غیرانہ کان ، علی ماخصّ بہ من المناقب والرای البصیر بالعواقب مرّالسیاسـة " ۔ (دفیات الاعیان ۴ / ۸۰)۔

مرعشی (مُتوفّی ۸۹۲ھ): " امیر قابوس قریب ہجدہ سال بخوزستان بماندو برانقلابِ حالات و تصاریفِ ایّام وحوادثِ روزگار مصابرت می نمود۔ امّادر مروّت و عُلوِ ہمّت ہیچ نقصانی نداشت و طراوتِ حال و رونقِ احوالِ او کم نشدو ہیچ کس ازامرای کبارِ خراسان نبود کہ مأمولِ احسان و مشمولِ امتنانِ اونگشتہ بودند " ۔ (تاریخِ طبرستان و رویانِ و مازندران ص ۱۳۵)۔

دولت شاہ سمرقندی (مُتوفّی بعد ۸۹۲ ھ): شمس المعالی قابوس بن وشمگیر بادشاہی دانا و

عالم و فاضل بوده است، حکماء و علماء را موقّر داشتے "۔ (تذکرۃ الشعراء، ص ۵۵)۔

ابوالریحان البیرونی کا رسالہ " التّعلّل باجالتہ الوہم فی معانی منظوم اولی الفضل "۔ جو اس کی گم شدہ تصانیف میں ہے، یاقوت الحموی کو ملا تھا۔ اس نے اس سے پان سات سطریں نقل بھی کی ہیں۔ ان سطور میں البیرونی، قابوس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مجھے شمس المعالی قابوس کی یہ بات بہت اچھی لگی کہ وہ اپنی تعریف سننی پسند نہیں کرتا تھا نہ وہ شعراء کو مدحیہ قصیدے اپنے سامنے پڑھنے کی اجازت دیا کرتا تھا کہ اس کی رائے میں شعراء کے مدحیہ اشعار " اکاذیب " ہوتے ہیں اور ان کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ ہاں نیروز اور مہرجان کے مواقع پر شعراء کو آنے کی اجازت تھی۔ ابو اللیث العلوی اس بات پر مامور تھا کہ ان شعراء کو ان کی حسب حیثیت انعامات دیے جائیں لیکن وہ ان کے مدحیہ قصائد سننے پر آمادہ کبھی نہیں ہوتا تھا۔ (معجم الادباء ۱۶ / ۲۲۹)۔

☆ ☆

یہ تو نثر ہوئی، اب نظم دیکھیے۔ قابوس بن وشمگیر کے معاصر شعراء نے اس کی مدح میں جو قصائد و مقطوعات لکھے وہ سب محفوظ نہیں رہے۔ اس سلسلے کے جو معلومات ہمارے سامنے اب تک آئے ہیں ان کے پیشِ نظر کچھ شعراء کے نتائجِ فکر کا مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے:

۱ عتبی مُصنّف تاریخِ یمینی:

الجدّ و مالم یعنہُ الجدُّ مِدّارُ — و الحرُّ ما لم یَزِنہ الصبرُ خوّارُ

و للکریم اذا الایّام زلنَ بہ — عن المنیٰ بثبات النّفس إعذارُ

کم فاضلٍ وجنونُ المجنون لہ — حیفاً علی حَسَک للاواء جرّارُ

وکم جریح قریب القلب ذی عَبَرٍ — وکم قتیلٍ و باللیف آثارُ

ابوالشّرف ناصح بن ظفر جرباذقانی نے ترجمۂ تاریخِ یمینی (ص ۲۳۰) میں یہ چار شعر نقل کیے ہیں لیکن اصل کتاب تاریخِ یمینی اور اس کی شرح فتح الوہبی ۱ / ۲۹۸ میں قصیدۂ مدحیہ کے بقیہ ۴۲ ابیات درج ہیں۔ ۳۸۸ھ کی جنگ میں جب قابوس کو فتح ہوئی تو وہ " دلِ فارغ و صدر منشرح " کے ساتھ جرجان پہنچا اور مسندِ ملک و مستقرِ عزّت پر مُتمکّن ہوا۔ اس موقع پر شاعر نے یہ طویل قصیدہ تہنیت کا پیش کیا۔ عتبی نے شاعر کا نام نہ لکھ کر صرف " یکے از کُتّابِ عصر " لکھا ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ جب وہ " یکے از کُتّابِ عصر " ... یا " لبعض اہل العصر "

لکھتا ہے۔ تو اس سے مراد مُصنّفِ کتاب عتبی ہی ہوتا ہے۔ نجاتی نیشاپوری (مُتوفّی بعد از ۷۲۱ھ) کی شرحِ تاریخِ عتبی جس کا نام "بساتین العلماء" ہے (دکتر ذبیح اللہ صفانے تاریخِ ادبیات در ایران" (۱ / ۳۰۶) میں شرح کا نام بساتین الفضلاء و ریاحین العقلاء" لکھا ہے) اس میں لکھا ہے: "شنیدم از استادان بزرگوار کہ در ہر مورد از کتابِ یمینی کہ عتبی می گوید کہ "لبعض اہل العصر" وماتندِ آن، مراد خود مُصنّف است" دیکھیے تعلیقاتِ دکتر جعفر شعار (ترجمۂ تاریخ یمینی ص ۵۰۸)۔ دوسرے شارح احمد علی منینی کا بھی یہی خیال ہے (فتح الوہبی ۱ / ۲۴۲، ۲۸۸)۔ راقم السطور کے خیال میں "یکے از کُتّابِ عصر" سے مراد بھی عتبی ہی ہے۔ اگرچہ اس مقام پر جعفر شعار نے اس کا ذکر نہیں کیا، لیکن فتح الوہبی میں منینی نے لکھا ہے: قال الناموسی: یرید نفسہ (۱/ ۳۹۰)۔ الناموسی، تاریخ یمینی کا ایک شارح ہے جس کی لکھی ہوئی شرح منینی کے پیشِ نظر تھی، اب نہیں ملتی۔

۲۔ ابوبکر خوارزمی، محمّد بن العبّاس الطبری:

قامت تودّ عنی بوادرُ دمع السجمِ	والصمت بین یدِ منہا و بین فمِ
البین اخرسہا و البین انطقہا	و ہٰذہ حالۃٌ فی الناسِ کلّہم
قد طالما انہزمت عنّا الجیوشُ فلا	تحاربینا بجیش الوردِ و العنَمَ
و قد خلعتَ لجام الاتّباع فلا	فلقی سواءَ الفنا فی ذمۃ اللجمِ
لَم یبق فی الارض بی شیئٌ اہابُ لہ	فہل اہابُ انکسارَ الجفن ذی السقمِ
استغفراللہ فی قولی غلطتُ بلیٰ	اہاب شمس المعالی اُمّۃ الامَمَ

(جربادقانی: ترجمۂ تاریخِ عتبی ص ۲۳۲) تاریخِ عتبی اور فتح الوہبی (۴۰۵/۱) میں قصیدے کے بقیہ ابیات نقل ہوئے ہیں۔ ابوبکر خوارزمی کا ایک اور قصیدہ قابوس کی مدح میں:

شموسٌ لہنَّ الخدرُ والبیت مغربُ	فطالعہا للنحر و البین غاربُ
و لکنّما شمسُ المعالی خلافہا	مشارقۃٌ لیست لہنَّ مغاربُ
وما لقبوکَ الشمس الا و قدر اُوا	بُانکَ شمس و الملوک کواکبُ

جربادقانی نے اس قصیدے کے نو شعر منتخب کیے ہیں۔ تاریخِ یمینی میں مزید چار شعر ملتے ہیں۔

۳۔ قاضی ابوالحسن علی بن عبدالعزیز الجرجانی:

و لما تداعت للغروب شموسہم | و قمنا لتودیعِ الفریقِ المغرّبِ
تلقینَ اطرافَ السجوف بمشرقٍ | لہنّ و أعطاف الخدور بمغرب
فما سرنَ الا بین دمع مضیّع | ولا قمنَ الا فوق قلبٍ معذّبِ
کانّ فوادی قرن قابوس راعہٗ | تلاعبہ بالفیلقِ الملتفِّ شبّ

(الثعالبی: یتیمۃ الدہر ۳ / ۲۴۹)۔ پورا قصیدہ تاریخِ یمینی میں درج ہے۔ اس قصیدے کا کوئی شعر جرباد قانی کے انتخاب میں نہیں آیا۔ دکتر جعفر شعار مُرتّب ترجمۂ تاریخِ یمینی نے عتبی کی تاریخ سے لے کر ۲۱ شعر ذیلی حاشیے میں درج کر دیے ہیں۔ (ص ۲۳۵)۔

الجربادقانی کے ایک اور قصیدے کے دو شعر ثعالبی نے انتخاب کیے ہیں جو شمس المعالی قابوس کی مدح میں ہے:

لیلۃ للعیون فیہا ولا | اسماع باللقلوب و آلآمالی
نظمت للقدام فیہا الامانی | مثل نظم الا میر شمس المعالی

(یتیمۃ الدہر ۳ / ۲۵۰)۔

۴۔ ابو منصور الثعالبی:

الفتحُ منتظمٌ والدہر مبتسمٌ | وملک شمس المعالی کلّہ نِعَمٌ
و العدلُ منبسطٌ و الجورُ مُعطلمٌ | و الحقُّ مرتجعٌ و الشعبُ ملتئمُ
أُلقت مقالید ما الدنیا الیَ مَلِکٍ | ما زالَ وقفاً علیہ المجدُ والکرمُ
شمس المعالی وغیث المشرقین ومَن | بہ یلیقُ العلیٰ والمجدُ و الحشمُ

یہ قصیدہ بھی جنگ میں فتح یابی کے بعد قابوس کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ یہ بہت خوب صورت قصیدہ ہے۔ اس کے بقیہ ۹ شعر تاریخِ یمینی (۱ / ۲۳۹) میں دیکھے جاسکتے ہیں:

۵۔ ابوالفضل احمد بن عبداللہ المیکالی:

لا تعصینّ شمس العلیٰ قابوساً | فمن عصیٰ قابوسَ لاقی البوسا

المیکالی کا صرف یہی ایک شعر عتبی (فتح الوہبی ۲ / ۸) اور جرباد قانی (ترجمۂ تاریخِ یمینی ۲ / ۲۴)

نے نقل کیا ہے۔ نیز دیکھیے عوفی کی لباب الالباب ص ۳۰۔

۶۔ قاضی القضاۃ ابوبشر الفضل بن محمد الجرجانی:

حسبی اللہُ فی الامیر نصیراً — ثم حسبی الامور شمسُ المعالی

ما رأینا لہ مثالاً و ھذا — لقبٌ مثلہ فقید المثالِ

فمعال مشتقۃٌ من معانٍ — ومعان مشتقۃٌ من معالی

(محمد عوفی: لباب الالباب ص ۳۲)۔

۷۔ شیخ ابو عامر جرجانی:

جرجان ہی کے ایک شاعر ابو عامر تھے جو وہاں کے زبردست اور اہم علماء میں شمار کیے جاتے تھے۔ یہ کتاب الشعر کے مُصنّف ہیں۔ جو اب مفقود ہے۔ یہ قابوس کے دربار کے خاص شعراء میں تھے۔ ان کے بیشتر قصائد قابوس کی مدح میں ہیں۔ بہاء الدین محمدؐ بن حسن بن اسفندیار کاتب نے تاریخِ طبرستان میں ان کے دو شعر نقل کیے ہیں جو انھوں نے قابوس کی مدح میں لکھے ہیں:

قد یکرہُ المرءُ ما فیہ سلامتہُ — و ربّما یعشق الانسانُ ما قتلَا

و لم تزلْ ہذہ الدّنیا محبّتہ — إلی نفوسٍ سقتھا السمَّ والعسَلا

ابو عامر جرجانی کے حسب ذیل اشعار جو قابوس کی مدح میں ہیں ابن اسفندیار نے باخرزی کی دمیۃ القصر کے حوالے سے نقل کیے ہیں:

اشیمُ عفوک و الامالُ متبسطۃٌ — و موقفی منک مثل الاخذ بالکظَمَ

اذا رقدتُ فان الروعَ فی علمی — و ان افقت فطعم الموت مل فمی

لا نامن اخاً طالت سلامتہ — و الدھر مغر بہ ان نام لم ینمِ

(ابن اسفندر یار: تاریخِ طبرستان ص ۱۲۹)۔

۸۔ ابن بَجَلی:

اس شاعر کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ اس کا تعلق یا تو بَجَلی قبیلے سے تھا یا اس کی نسبت "بجلہ" کی طرف ہے۔ جو یمن میں معد بن عدنان کا ایک قبیلہ ہے۔ اموی عہد کے مشہور شاعر جریر کا اسی قبیلے سے تعلق تھا۔ اسی لیے وہ جریر بَجَلی کہلاتا تھا۔ "ابن بَجَلی۔ بسیار خوش

سلیقہ و موزوں طبع بود ۰ و بدیہہ گو و مضمون جوئی ۰ سر انجام نزدِ شمس المعالی قابوس آمدہ و در حاشیہ او قرار گرفت تا آں کہ فروشد " ۔ (تعلیقاتِ ترجمۂ یمینی از دکتر جعفر شعار ص ۵۰، ۰ نیز فتح الوہبی ۱ / ۱۱۵)۔

للہ شمسانِ تذکیرُ لخیر بما ۔۔۔ و للمؤنثۃ النقصانُ ملتزمُ
أزری بتلک سناً من غیر معرفتہٖ ۔۔۔ فیہا و زیّنَ بذا العلمُ و الکرمُ
یا ایّہا الملکُ المیمونُ طائرہٗ ۔۔۔ و خیر مَن فی الوری یَمشی بہ القدمُ
لوکنت من قبلُ و ترعانا و تکنفنا ۔۔۔ لما تہدّی الینا الشیبُ و الہرمُ

قابوس کی مدح میں لکھے ہوئے اس قصیدے کے صرف یہی چار شعر فتح الوہبی ۱ / ۱۱۵ اور ترجمۂ تاریخِ یمینی از جرباد قانی ص ۵۳ میں مل سکے۔

۹۔ ابراہیم بن ہلال الصابی :

الصابی نے قابوس بن وشمگیر کے ایک مکتوب (جو کمال البلاغۃ للیز دادی میں نہیں اور جس کی تین سطریں ابن اسفند یار نے درج کی ہیں) کے جواب میں جو طویل مراسلہ قابوس کو بھیجا تھا اس کی ابتداء میں صابی کے حسب ذیل سات شعر جو قابوس کی مدح میں ہیں ، درج ہیں :

العدم نلتُ مدی الآمال و الہمم ۔۔۔ اذ عَدّنی مفخر الاملاک فی الخدمِ
شمس المعالی و فخر الدہر و الامم ۔۔۔ و مبدع المجد و الا فضال و النعمِ
ومن ہوی کلّ فنّ فاستبدّ بہ ۔۔۔ فصارَ فیہ امام الخلق و الامِمِ
وفاقَ کلّ الوری علماً و معرفۃً ۔۔۔ حتی غدالہمُ فی العلم کالعلمِ
ولم ینل أحدٌ فی الارض مذ خلقتْ ۔۔۔ مانالَ بالمرہفین السیف والقلمِ
فصرتُ فی قمّۃ الجوزاء معتلیاً ۔۔۔ اخطو السماکین والعیّوق بالقدمِ

(ابن اسفندیار کاتب : تاریخِ طبرستان ۱ / ۱۳۵)۔

۱۰۔ ابو سہیل صعلوکی :

امام ابو سہیل صعلوکی کا مختصر سا ذکر دولت شاہ کے تذکرے میں دیکھنے میں آیا۔ " ابو سہیل صعلوکی کہ دراں حین اقضی القضاۃ خراسان و سراہ روزگار بودہ ۰ در مدایح امیر قابوس قصاید و تصانیف دارد " (تذکرۃ الشعراء ص ۵۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صعلوکی کی قابوس کی مدح

میں صرف منظومات ہی نہیں ہیں بلکہ کچھ تصانیف بھی ہیں۔ کتابیں تو کتابیں راقم الحروف کو تلاش کے باوجود نہ اس کی نثر کا کوئی ٹکڑا ملا نہ اس کا منظوم کیا ہوا کوئی مقطوعہ ۔ صعلوکی ، حکیم ناصر خسرو کے دوستوں اور اس کے ہی خواہوں میں تھا ، اس سے ایک ملاقات کا بھی حال دولت شاہ نے لکھا ہے (دیکھیے ص ۲۰) عربی مصادر وفیات الاعیان ۴ / ۲۰۴ ، کتاب الانساب للسمعانی میں ان کا نام ابو سہیل محمد بن سلیمان الصعلوکی درج ہے' اصفہان میں پیدا ہوئے اور نیشا پور میں انھوں نے زندگی گزاری۔ سالِ وفات ۲۹۶ھ اور سالِ وفات ۳۶۹ھ ہے۔ عتبی نے ان کی تعزیت میں دو شعر لکھ کر ان کے بیٹے ابو الطیّب الصعلوکی کو بھیجے تھے وہ ابن خلکان نے نقل کیے ہیں۔ ۲ / ۴۳۲ ۔

طبقات الشافعیّۃ للاسنوی ۲ / ۱۲۴ ، الوافی ۳ / ۱۲۴ ، یتیمۃ الدھر ۴ / ۴۱۹ طبقات الشافعیّۃ لابن قاضی شہبۃ ص ۷۰ ، النجوم الزاہرۃ ۴ / ۱۳۶ میں الصعلوکی کے حالات درج ہیں۔

۱۱۔ البدیہی :

یاقوت نے ابوحیّان التوحیدی کے حوالے سے بدیہی کا قول نقل کیا ہے : مدحتُ وشمگیر بمدائحَ فاحَت رَیّاہا شرقاً و غرباً ، بعداً وقرباً فما اثابنی علیہا الا بشییٍ یسیر " میں نے قابوس وشمگیر کی مدح میں اتنے اور ایسے قصاید لکھے جن کی خوشبو مشرق و مغرب' قریب و دور ، ہر جگہ پہنچ گئی ہے ، لیکن اس کا صلہ مجھے بہت معمولی ملا۔ (معجم الادباء ۱۶ / ۲۳۰)۔

اب قابوس کے بارے میں فارسی شعراء کے تأثرات پڑھیے :

۱۲۔ ابوالقاسم زیاد بن محمّد القمری الجرجانی المازندرانی :

بتے ، کہ سجدہ بردپیش روی او بتِ چین | خیالِ او بود اندر بہشت نورالعین
الف بقامت و میمش دہان و نونش زلف | بنفشہ جعد و برخ لالہ و زنخ نسرین
بزلفش اندر مشک و بمشکش اندر خم | بچینش اندر تاب و بتابش اندر چین
میانِ حلقۂ زلفش معلّقست دلم | مثال آنکہ میانِ فلک ہوا و زمین
ز بادۂ لب او تلخیست عہدۂ من | روا بود ، کہ بود تلخ مَے بہ از شیرین
فرو ستد زمن او جو نشّہ از معاند جان | دلم کشد زمن او چو نشّہ از تف مے کین
مرا و صد چو مرا دل سپردن آیینست | زہر آنکہ ورا دل ربودنست آیین
زنامِ تو نتوان آفرین گسست چناں | گسست نتوان ازو نام دشمنت نفرین

فارسی کا یہ شاعر معروف نہیں ہے، عوفی نے صرف اسی قدر لکھا ہے: "قمری، قمرِ آسمان فصاحت بودہ است، سخن او بغایت عالی و جلوہ گر مفاخر شمس المعالی، و در قصیدۂ در مدح اوی نویسد: پھر مندرجہ بالا آٹھ شعر درج کیے ہیں۔ حالات و اشعار کے لیے دیکھا جاتے احوال و اشعار رودکی ص ۱۳/۲، ترجمان البلاغہ۔ کتاب نصیحت نامہ معروف بقابوس نامہ بامقدّمہ و حواشی سعید نفیسی (تہران ۱۳۱۲ھ) ص ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ و تعلیقات سعید نفیسی برلباب الالباب عوفی ص ۶۵۴۔

۱۴۔ ابوبکر محمّد بن علی الخسروی السرخسی الحکیم:

یہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے شاعر تھے۔ عوفی رقم طراز ہے: "خسرو ملک سخن بود، در عرصۂ علای امیر شمس المعالی کارہا داشتہ و درخدمت صاحب کافی الکفاۃ روز بازارہا دیدہ و آن یگانہ، چنانکہ در طبقاتِ شعرای عجم مشہور است و در ورقاتِ فضلای عرب مذکور است"۔ عوفی نے اس قصیدے کے چار شعر درج کیے ہیں جو شاعر نے قابوس بن وشمگیر کی مدح میں لکھے ہیں۔

تاکے نالی زعشق؟ تاکے نالی؟ — سود ندارد گریستن، چہ شگالی؟
حلقۂ زلفت ہمہ قصیدۂ عینی — حلقۂ جعدت ہمہ قصیدۂ دالی
چشمِ سیاہت با سپرِ غمی ماند — زر بمیانہ، ہمہ کرانش لالی
نیست بخوبی ترا نظیر و کسے نیز — نیست بچیزے نظر شمسِ معالی

(عوفی، لباب الالباب ص ۲۵۶، مجمع الفصحا ۱/۳/۱۱۴۲)۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے۔ یعنی قابوس بن وشمگیر کے بارے میں پچھلے صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ان میں سے بنو زیار کے ایک فرماں روا، اپنے بھائی ظہیرالدّین ابومنصور بہستون کے جانشین، جرجان اور طبرستان کے والی، فوجی امور کے ماہر، آزمودہ جنرل، مدبّر اور ایک سیاست داں کی حیثیت سے پیش کیا گیا، اور اس کے معاصرین و متاخرین کے کچھ منظوم و منثور تاثرات پیش کیے گئے۔ لیکن ہمارے نقطۂ نظر سے اس کی اہمیّت یہ ہے کہ وہ زبردست عالِم، نجوم و فلکیات اور متعدّد علوم و فنون کا ماہر، اہم انشا پرداز اور ایک نغز گو شاعر تھا۔ وہ اپنے وقت کے اہم عالموں، شاعروں کا سرپرست بھی تھا۔ ابوالریحان محمّد بن احمد البیرونی (مُتوفّی ۴۴۰ھ) سے اس کے گہرے تعلقات تھے۔ اس نے کتاب "الآثار الباقیہ" اسی قابوس کے لیے لکھی تھی۔ اس کی ان صفات کی طرف کم توجہ کی گئی ہے۔ مستشرق ہوار کا انسائیکلوپیڈیا

آف اسلام میں اس پر ایک مختصر سا مضمون درج ہے جس میں اس کے خاندان، اس کی فرماں روائی، جنگ و جدل اور پھر معزولی کے ذکر کے بعد صرف حسب ذیل ایک سطر ملتی ہے:
" وہ مختلف علوم خصوصاً نجوم سے واقف تھا، کئی مختصر رسائل اور فارسی و عربی نظمیں اس کی یادگار ہیں۔ وہ ایک ممتاز خوش نویس بھی تھا" (اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ ۶/۱۶) ۔ قابوس پر کوئی کتاب یا علمی تحقیقی مقالہ تو کیا، یاد نہیں آتا کہ یورپ، شرقِ اوسط یا ایشیا میں کوئی اچھا مضمون بھی کبھی شایع ہوا ہو۔

قابوس چوتھی صدی ہجری کی پیداوار تھا، پانچویں صدی کا ابوالنصر محمدؐ بن عبدالجبار العُتبی (مُتوفّی ۴۲۷ھ) پہلا مُصنّف ہے جس نے اس کا ذکر " تاریخِ یمینی" میں کیا ہے اور قدرے تفصیل سے ۔ پھر ابومنصور الثعالبی (متوفی ۴۲۹ھ) ہے جس نے " یتیمۃ الدھر فی شعر اہل العصر" میں اس کا ترجمہ ایک علیحدہ باب میں درج کیا اور اس کی نظم و نثر کے کچھ خوب صورت نمونے پیش کیے۔ ثعالبی نے قابوس کے حالاتِ زندگی نہیں لکھے کس واسطے کہ وہ اس پر ایک مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ (وآنَ لی أن اعملَ کتاباً فی اخبارہ وسیرہ، و ذکر خصائصہ و مآثرہ، التی تفرّدَ بہا عن ملوک عصرہ" (یتیمہ ۲۸۸/۳) ۔ اگر ثعالبی کا ارادہ فعل کی شکل اختیار کر سکا تو اس کے کسی نسخے کے وجود کی اب تک بھی اطلاع نہیں ہے ۔ ساتویں صدی ہجری کی لکھی ہوئی کتاب " تاریخِ طبرستان" مؤلفہ بہاء الدین محمدؐ بن حسن بن اسفند یار کاتب جس کا سالِ تالیف ۶۱۳ھ ہے اور نویں صدی کے سیّد ظہیرالدین بن سیّد نصیرالدین مرعشی (مُتوفّی ۸۹۲ھ) کی تصنیف " تاریخِ طبرستان و رویان و مازندران" (سالِ تالیف ۸۸۱ھ) میں قابوس کی زندگی اور کارناموں پر کچھ روشنی پڑتی ہے، بعد کو محمدؐ عوفی اور دولت شاہ سمرقندی کے یہاں بہت اختصار سے قابوس کا ذکر ملتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں مُصنّفین کے سامنے العتبی اور الثعالبی کی مذکورۂ بالا تصانیف کے علاوہ معلومات کا کوئی اور قابلِ ذکر ذریعہ نہیں۔ اس طرح ان دونوں تصانیف میں قابوس کے متعلق کوئی نئی اور اہم اطلاع نہیں ملتی۔

عوفی، قابوس کے ترجمے میں لکھتا ہے: " فضلای روزگار و مردانِ روزگار از تیغِ زبانِ او سر بخط آوردہ، ورسایلِ تازی و قصائدِ عربی کہ او پرداختہ است دیباچۂ دفترِ فضائل است و مشاعرات بااستاد ابوبکر خوارزمی مشہور" (لباب ص ۳۰)۔

یاقوت الحموی (مُتوفّی ۶۲۶ھ) تیسرا مؤرخ ہے جس نے قابوس کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے ہیں اور اس کی نثر و نظم کے کچھ نمونے بھی پیش کیے ہیں ۔ وہ اس کے بارے

میں لکھتا ہے : " کان فاضلاً ادیباً مترسلاً ، شاعراً ظریفاً ، ولہ رسائل بایدی الناس یتداولونہا " (معجم الادباء ۱۶/۲۲۰)۔

محمدؔ عوفی نے قابوس کے عربی مراسلات اور عربی قصاید کو " دیباچۂ دفترِ فضائل" کہا ہے۔ اس نے ایک حکایت بھی نقل کی ہے کہ ایک بار اس کے امرائے دولت میں سے دو نے سرکشی و نافرمانی کا اظہار کیا۔ قابوس نے اپنے دبیر سے کہا کہ وہ ان کے نام ایک مراسلہ لکھے انھیں نصیحت کرے اور مشورہ دے کہ سرکشی سے باز رہیں اور اطاعت گزار بن جائیں۔ اس کا دبیر ایک لمبی چوڑی تحریر لکھ کر لایا جو قابوس کو پسند نہیں آئی۔ اس نے دوات و قلم منگوا کر اسی کاغذ کے حاشیے پر یہ شعر لکھ دیا اور حکم دیا کہ اسی کو بھیج دیا جائے:

لاتعصینّ شمس العلیٰ قابوساً فمن عصیٰ قابوس یلقی بوسا

اس شعر میں تجنیس کا بھی لطف ہے اور مقصد کی شرح و وضاحت بھی کس خوب صورتی اور ایجاز سے ہو گئی ہے۔

دولت شاہ ، قابوس کے بارے میں لکھتا ہے : " پادشاہے دانا و عالم و عادل و فاضل بودہ است ، حکماء و علماء را موقّر داشتے و اشعار عربی و فارسی بسیار گفتہ" (تذکرۃ الشّعراء ص ۵۵)

ابن اسفند یار کہتا ہے کہ جو شخص قابوس کی جلالتِ قدر جاننا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ ثعالبی اور عتبی کی کتابوں کا مطالعہ کرے " تا غزارت فضل و سخاوت و بذل و کمالِ عقل او بداند ، چہ نثرِ او فراید فواید و نظم اوقلاید ولاید ایست"۔ (تاریخِ طبرستان ص ۱۴۲)۔

تاریخ یمینی کا فارسی مترجم ناصح بن ظفر جربادقانی ، اپنے تأثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے: " در فنون علم و ادب متبحّر و در جمع میان ذرابت شمشیر و ذلاقت قلم منفرد ، و رسایل او در اطراف و اکناف عالم مشہور و مذکور ، و کمالِ براعت و بلاغت او در تزیین و تحسین مقالات خویش معروف " (ترجمۂ تاریخِ یمینی ص ۲۴۵)۔ تاریخِ یمینی اور اس کے اس فارسی ترجمے میں قابوس کے عربی رسالہ در ذکرِ صحابہ و تفضیلِ خلفاء" (کہ لمعہ ایست از بوارق بنان و زہرہ ای از حدایقِ بیانِ او) کا مکمّل متن نقل کر دیا ہے ۔ اس رسالے کا متن ابن اسفند یار کی تاریخِ طبرستان میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

ابوالحسن عبدالرحمن بن علی الیزدادی نے قابوس کے مراسلات و مکتوبات اور دوسری تحریرات کو جمع کر کے مُرتّب کرنے کی پہلی بار کوشش کی۔ اس کا نام " کمال البلاغۃ" رکھا۔ اس کا دوسرا نام " قراین شمس المعالی" ہے لیکن یہ مجموعۂ تحریرات قابوس اپنے پہلے نام

سے زیادہ مشہور ہے۔ اس میں ابن العمید، الصاحب بن عبّاد کے نام قابوس کے مکاتبات ہیں اور بن عبّاد کے جوابی مراسلے۔ اس میں کچھ اور رسایل "فلسفہ و نجوم و اخوانیات و بشایر و فتوح و واقعات" کے سلسلے میں بھی ہیں اور بہت اہم ہیں ۔ بقول محمدّ عوفی، جس نے "کمال البلاغـة" کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتا ہے کہ "حدّ فضل او تا کجا باشد"۔ (لباب ص ۳۱)۔

ہمیں الیزدادی کا مرہونِ منّت ہونا چاہیے جس نے قابوس بن وشمگیر کی تحریرات کی قدر پہچانی، جو کچھ مل سکا انھیں محفوظ کیا اور شاید پہلی مرتبہ قابوس کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ وہ لکھتا ہے : و انا اُقول بلسانٍ مطلق اَنّ اَحداً لم یسمع کلاماً باللغـة العربیـة مثل رسائل قابوس فی الفصاحـة و الوجازة والروعـة والعذوبة و اعتدال الاقسام، و استواء الاوزان و اتساق النظم و ابداع المعانی و غرابة الاسجاع معہ سہولـة الالفاظ و امتزاج الحروف المتجانسـة ولیس وراء ذلک نہایة" (تاریخ طبرستان ص ۱۴۲)۔

☆ ☆

قابوس بن وشمگیر جیسا کہ لکھا جا چکا عربی زبان کا بے مثال انشاء پرداز تھا اور عربی و فارسی دونوں زبانوں کا ایک قادر الکلام شاعر۔ افسوس ہے کہ اس کی بیشتر تحریرات نظم و نثر ضایع ہو گئیں۔ جو باقی بچ گئی ہیں وہ اس کے قلم سے نکلی ہوئی تحریروں کا شاید عشرِ عشیر بھی نہیں۔ راقم الحروف کو اس کی فارسی نثر کا کوئی نمونہ دستیاب نہ ہو سکا، فارسی شعر بھی بہت کم تعداد میں ملے۔ اس کے عربی اشعار بھی بہت کم دیکھنے میں آئے۔ جو کچھ ہمارے سامنے ہے وہ اس کی عربی نثری تحریرات ہیں، وہ بھی الیزدادی کی کوششوں کی بدولت۔ اگر وہ قابوس کی کچھ تحریرات کو مدوّن کر کے کتابی شکل میں کمال البلاغـة میں پیش نہ کرتا تو یہ تحریریں بھی ضایع ہو جاتیں ۔ جو تحریریں اس کتاب میں درج ہونے سے رہ گئیں، گمانِ غالب ہے کہ ان کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا۔ قدیم مصادر میں جو کچھ ملتا ہے ہماری کوشش ہے کہ انھیں تلاش کر کے ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ یاقوت الحموی کے زمانے تک اس کی عربی تحریرات عام طور پر ملتی تھیں: ولہ رسائل بایدی الناس بتدا و لونہا، وکان بینہ و بین الصاحب بن عبّاد مکاتبة (معجم ۲۲۲/۱۶) اس نے اس کے ایک خط کا متن جو کسی دوست کو لکھا ہے اپنی کتاب میں درج بھی کیا ہے۔ یہ بہت خوب صورت خط ہے جو اس نے اپنی جلاوطنی کے زمانے میں نکبت و پریشانی کے حال میں خراسان سے لکھا تھا۔

اب قابوس کی عربی تحریرات کے کچھ نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔ پہلے کچھ فقرات جو

بقول ثعالبی ضرب المثل کا درجہ رکھتے ہیں:

- الکریمُ اذا وَعَدَلم یخلف واذا نہضَ بفضیلۃٍ لم یقف۔
- العفو عن الجرم من مواجب الکریم ، و قبول المعذرة من محاسن الشیم۔
- للدھر طعمان حلوٌ ومرٌّ، وللایّام صرفان عسر ویسر۔ (یتیمۃ الدھر ۲۸۸/۳)۔
- الوسائل اقوام ذوی الحاجات ، والشفاعۃ مفاتیح الطلبات۔
- من اقعدتہ نکایۃ الایّام اقامتہ اغاثۃ الکرام۔
- غایۃ کل متحرکٍ سکونٌ ونہایۃ کل متکوّنٍ ان لایکون۔
- حشو ہذا الدھر احزانٌ وہمومٌ و صفوهٗ من غیر کدرٍ معدوم ۔ (خاص الخاص ص ۳۰)۔

اب قابوس کے کچھ عربی رقعات اور مختصر تحریریں:

۱۔ " عادَفلان وقدعلتہ بشاشۃُ النجاح وَدبّت فیہ نشوةُ الارتیاح ۔ تلوحُ مَسَرّة الیُسر علی جبینہ و تصیحُ بانقضاء العُسراسرة یمینہ "۔ (یتیمۃ الدھر ۲۸۹/۳)۔

۲۔ " محالٌ لمن سَمَتْ بہ ہمتہ ، الی قصد من تغلوعندہ قیمتہ ۔ أن یکون علی غیرہ عُرجتہَ ۔ و لبیت مَن سواہ زیارتہ و حجّتہ "۔ (تاریخ الیمینی ، فتح الوہبی ۲/ ۲۶ ، یتیمۃ الدھر ۲۸۹/۳) ترجمۂ تاریخِ یمینی ص ۲۴۸ میں یہ تحریر درج ہے لیکن روایت میں اختلاف کے ساتھ یہ عبارت درج کرنے سے پہلے مترجم جرباذقانی نے لکھا ہے : " واین فصل بعضے از فاضل باستدعای او نوشتہ است"۔ ثعالبی نے خاص الخاص (ص ۲۸۵) میں بھی یہ رقعہ اختلاف روایت کے ساتھ درج کیا ہے اور اطلاع دی ہے کہ یہ رقعہ قابوس نے ابوعبداللہ البابلی البصری (مُتوفّیٰ ۲۰۵) کے نام لکھا ہے۔

۳۔ " حشو ہذا الدھر ۔ أطالَ اللہ بقاءَ مولایَ۔ أحزانٌ وہمومٌ ، و صفوهٗ من غیر کَدَر معدومٌ ، فما اولاهُ ۔ أیّدہ اللہ ۔ بان یتأمّل أحوالہ ، ویَستشفّ ضروبَہ و أحکامَہ ، فإن وجد أحداً سَلِمَ من وَجدٍ اوعَرِیَ من فقرٍ یقی خلاف المعہود ، وحقّ لہ التأسّی علی المفقود ، وإن علمَ انّ الخلق فیہ شرعٌ وأنّ الباقی للماضی تبعٌ قدّمَ من السلوة والصبر ، م الابدّ من المصیرالیہ آخرالامر ، یحصل لہ الثواب والاجر ، والسلام"۔ (معجم الادباء ۲۳۰/۱۶) یہ خط کسی کو تعزیت نامے کے طور پر لکھا گیا ہے۔

۴۔ " امّا إعجاب ذلک الفاضل بالفصول التی عرضتہا علیہ ، فلم یکن علی ما أحسب الا لخلّتہٍ واحدةٍ وہی انہ وَجدَ فناًّ فی غیر اہلہ فاستغربہ ، وفرعاً غیر أصلہ فاستبدعہ ۔ وقدیستعذب ... الطرب من نَیج الزعاق ، یستطاب ... من نحو النفاق ، فتلک فیما اقدمت علیہ من بسط اللّسان

بحضرتہ، و إرخاء العنان فیہ، بمشھدہ۔ کنت کمن صالب بوقاحۃ الحجر، وحاءَن بقباحۃ القمر۔ ولا کلام فیما مَضَی ولا عتب فیما انقضی"۔ (یتیمۃ الدھر ۲۸۹/۳)، ابن اسفندیار: تاریخِ طبرستان ص ۱۴۳ باختلاف روایت)۔

قابوس کا یہ مکتوب عبدالسلام وکیلِ صاحب بن عبّاد کے نام ہے۔ مکتوب میں "ذلک الفاضل" کا اشارہ صاحب بن عبّاد کی طرف ہے۔

۵۔ قابوس کا حسبِ ذیل مکتوب الصابی کے نام ہے۔

"وکأنّی بالاستاذ اذا قرأ کتابی ہذا یقول أیّ نسبٍ من الانساب بین قابوس والاسطرلاب، وأیّ سببٍ من الاسباب یحملہ علی تعاطی ہذا الکتاب و مکاتبۃ ابلغ الکتّاب و بلّا اقتصر علی التراس و الزانات ولم تیخذّ الأسطرلابات آلآلات۔" (ابن اسفندیار: تاریخِ طبرستان ص ۱۴۴)

قابوس کے حسب ذیل دو مراسلے بعض مصادر میں ملتے ہیں:

۱۔ رسالۃ فی الترجیح بین صحابۃ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ رسالہ جو خلفای ثلاثہ رضوان اللہ الاجمعین کی تفصیل کے موضوع پر ہے، تاریخِ یمینی میں درج ہوا ہے اور یہیں سے اس کی شرح فتح الوہبی ۲ / ۱۸، اور جربادقانی کے ترجمہ تاریخِ یمینی (ص ۲۴۶) میں نقل ہوا ہے۔ ابن اسفندیار کاتب اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: "و فصلے است قابوس شمس المعالی را در تفضیل عمر و ابوبکر و عثمان و امیرالمومنین علی، داد بلاغت و فصاحت در آن رسالت دادہ چنانکہ شیوۂ ترسّل قابوس بود"۔ (تاریخ طبرستان ۹۸/۱)۔ مُصنّف نے اس بات کی اطلاع دی ہے کہ الموید باللہ عضدالدولہ سیّد ابوالحسین (مُتوفّی ۴۲۱ھ) نے قابوس کے اس رسالے کا جواب اس طور پر لکھا تھا اور ایسے قاطع حجج و دلائل پیش کیے تھے کہ "اگر گویند معجزاست بعید نبود۔" الموید باللہ قابوس کے معاصر تھے اور اس عہد کے معروف شیعی عالم۔ ان کا رسالہ شاید محفوظ نہیں رہا۔

"جمہرۃ الاسلام ذات النثر والنظام" اہم اور نادر تحریرات نظم و نثر کا ایک مجموعہ ہے جسے مسلم بن محمد الشیزری (متوفّی بعد ۶۲۲ھ) نے مرتّب کیا ہے۔ اس میں پہلی صدی ہجری سے چھٹی صدی تک ہجری مُصنّفین و شعراء اور انشاپردازوں کی تحریرات نثر و نظم جمع کی گئی ہیں۔ اس کا نسخہ منحصر بفرد لائیڈن یونی ورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس پر راقم نے انگریزی میں ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے جو آج کل زیرِ طبع ہے۔ اس مجموعے میں قابوس بن وشمگیر کی لکھی ہوئی متعدّد تحریریں ہیں جو مطبوعہ و غیر مطبوعہ مصادر میں نہیں ملتیں۔ اس لیے بے حد اہم ہیں۔

یہاں اس کی دو تحریریں پیش کی جاتی ہیں۔ متن کے بعض الفاظ کی خاطر خواہ تصحیح نہیں ہو سکی ہے۔

فصولٌ لقابوس بن وشمگیر

۱۔ کتب الی الامیر فخرالدولہ :

ما أشبہَ وعدُ مولای الأمیر فی الخلاف الاّ کشجر الخلاف اخضرَ فی العین ، ولا ثمر فی البین ولاخیرَ فی الوعد، ولا انجازَ من بعد وعدو الوعدُ کالرّعد ، مالہ خَطَرٌ عندی اذالم یتلُہ مَطَرٌ وقد کان فی جیرتنا بجیلان فتیً فارہُ الافراس حَسَنُ اللّباس، لایعدُّ فی النّاس۔ فلا تظن انّ الامارۃ ثوبٌ سقلاطونیٌ، ولا تقدّرْ انّ الانسانیۃ ثوبانِ من عَدَن ولا قصبان من لُبنَ۔ لکنّ الامارۃَ من ورآء ہذا الصّفّ ومن خلف ہذا وصف۔

اب اس مکتوب کے بارے میں بعض گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔ یہ تحریر ثعالبی کی طرف بھی منسوب ہے۔ ابوالحسن بن علی بن رکن الدولہ ، عضدالدولہ (متوفی ۳۷۲ھ) کا بھائی اور قابوس بن وشمگیر کا داماد تھا۔ سالِ وفات ۳۸۷ھ یا ۳۸۵ھ۔

الخلاف : درخت بید۔ البیرونی نے اس پر قدرے تفصیل سے لکھا ہے اور ابونصر العتبی ، عمر المطوعی اور ابوالفضل المیکالی کے اشعار بھی درج کیے ہیں (کتاب الصیدنہ ص ۲۵۴، ۲۵۵)

سقلاطون : " نوعے پارچہ ابریشمی زردوزی شدہ کہ آن را در بغداد می بافتند و شہرت بسیار داشتہ ۔ در قرونِ وسطیٰ ایں کلمہ در تمام اروپا معمول بودہ ۔ (حاشیہ برہان قاطع ۱۱۰۸/۲) نیز دیکھیے لسان العرب ۳/۱۲، ۷ ، یاقوت الحموی کی معجم البلدان ۸۲۲/۱ اور دوزی کی المعجم ۶۶۳/۱۔

تونہ : مصر کے علاقے کا ایک جزیرہ جو تنّیس اور دمیاط کے قریب واقع ہے۔ اسے عمیر بن وہب نے فتح کیا تھا ۔ یہ شہر عمدہ اور قیمتی کپڑے کے لیے مشہور ہے۔ معجم البلدان ۹۰۱/۱ یہاں کے کپڑوں کے بارے میں محمد بن عمر المطرّز البغدادی نے بہت خوب صورت شعر لکھے ہیں۔ خطط مقریزی ۱۸۱/۱ بھی دیکھی جائے ۔ R. B. Sargent کی کتاب Islamic Textiles اور فنون اسلامی کے رسالے Ars Islamica جلد ۸ ، ۹ میں بہت قیمتی معلومات ہیں۔

عدن بھی قدیم زمانے سے کپڑوں کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ یمنی چادروں کی دور دور تک شہرت تھی۔

(a) سنائی (متوفی بعد ۵۲۵ھ) کے ایک خط بنام خواجہ احمد بن مسعود میں یہ فقرہ اس طرح آیا ہے : خضرۃٌ فی العین ولا ثمرۃٌ فی البین (مکاتیب سنائی ص ۲۵)۔ یہ ثعالبی کی روایت کے مطابق ہے۔

٢- إلى بعض الكتّاب وكان قد أهدى له دواةً جعلَ داخلها قلماً و سكيّناً و مِقَطّاً أطالَ اللهُ بقاكَ يا سيّدَ أخوانهِ وزعيمَ خُلّانه ، و أدامُ عزّكَ و عزّى بكَ و غِبطتكَ و غبطتَنى بك ، وتكفل من حظوظ دينك ودنياكَ مايوفى على آمالكَ وآمالىَ نكَ التمادى . اعزّكَ اللهُ. لقاحُ المودّة و رباطُ المحبّة وسبيلُ المواصلة و دليلُ عالى الاسمُ بيّن الدّلالة وهو وصيّة الانبياء وسَحنة الحكماء وتصادق الاَصفياء والعهد المانوسُ بهِ والبرّالموصولُ عليه والوَصْلُ المسكونُ إليه . قالَ رسول الله صلى الله عليه وسلم ، تهادَوا تحابّوا ، وقالَ اميرالمؤمنين عليه السّلام ، الهدية امام الحاجة . وقال ابن عباس ، الهديةُ تورثُ المَودّةَ وتجدّدُ الاخوّةَ وتذهبُ الضغينة . وقالت عائشه رضى الله عنها ، اللّطفةُ عطفةٌ . وقالت الحكماء ، الهدايا ولايا القلوب .(كُلّ يَعمَلُ عَلَى شاكلته) وتهدى على حُسن مقدرته ومقدار حالته . وأحسن ماتهودى به . أعزّكَ الله . ما دخلَ فى جُملة المهدى اليه وكانَ من أدواته وآلات صناعتِهِ ولما كنتَ . أيّدك الله . قريعَ اوجهِ الرياسات حليف أشرف الصّناعات كنابةً يعلو فها يَدُك وذكرُك ، ويطولُ بها على مطا ولكَ و مساجلكَ وتقضى بها الى قضاءٍ من النّفاذ والبلاغ تَمتدُّ فيه شأوكَ وتفوز فيه باعكَ ، تاَمّلتُ مايقربُ لى مجلسُكَ وتباشره يمينُك ويكون فيه مجرى حَلّك وعقدكَ و مصادر أمركَ ونهيك . و مقاسَم ايرادكَ و أصدارك . و منافعَ نفعك واضرارك . فأهديتُ دواةً جامعةً للصّفاتِ سالمةً من العاهات مخلّصَةً من ألاين زنجيّةَ الانساب من بغية الكتّاب ، ذات حوضٍ عميقٍ وحاجبٍ وثيقٍ وسُكرجةٍ رَحراحةٍ وحُقّةٍ فى الرّاحة ر طبقٍ مهندمٍ و عارضٍ مُقوّمٍ مسكوّةٍ من خالص اللحين رائعاً انيقاً يَلمعُ فى سوادهالمعانَ البيض فى معركِ الأقران والشيب فى لمم الشبّان والبرق فى عارضٍ من رقراقٍ . وقالَ :

أمّ النّدى والرّدى سوداَءَ تحسبَها ... من حسنهادُميةٌ صيغت من السنَجِ
يحكى سناحلّها برقاً تبسّمَ فى ... جُنح الظّلام وليلٍ دامس اللّجَجِ
اوعرّة الأدهم المزهوّ فى حَضَرٍ ... أوملتقى كحل العينين بالدَعَجِ
تمدُّ منها حِباً تحيا العفاةُ بـه ... وللعداة سماماً أودمَ المُهجِ

فيها قلمٌ قويمُ الأنبوب صميمُ المَعجَم شديدُ الاستوآء حسنُ الامتلاء ذو وسمٍ كجلد الارقم وحوفٍ كلون العندم بريتهُ فاطلتُ جِلفتهَ واتممتُ قَطّتهَ و خفّفت شقّتهَ ،

من النّطق الخرس التّى تجتلى بـها ... سر نجيّةً بيضاً و خطيّةً سُمرا

تنشرُ فی بطن القراطیس دائمـاً | باُطرا وبا دُرّاً، وتودعها سحْـرا
شامیة الاُحساب تولـی عهادُهـا | باُودیةٍ تحتلُّ اُسبابها مصـــرا
اذا ما اعتلَتْ من سرّکفّکَ عرشهـا | تفیدُ بها عمراً، وتفنی بها عمراً

مقرون بسکینٍ عسفه الحدیدة وثیقة الشعیرة محکمة النصاب، جامعة الاسباب ذات حِلیةٍ و شورةٍ و شوکة مطرورة وسیلانٍ مستابع ومُتسنٍ لاصحٍ لعبد بها السنونَ والاُعوام ویُبری بها الاُقلام، ویفری بها الاوهام

لوکنت سخی بها یوماً علی حجـرٍ | لقــدت ملمــی ذلکَ الحجـــرِ
لوکنتَ تبری بها متن الحدید لما | اُبقت علی متنه یومــاً ولــم تذرِ
اُمضیَ من النّار عند البری فی یبسٍ | الحلفا اوفی هشیـم الزّرع والشّجَرِ
ظریفـة القدّ تلهی عین صاحبهـا | مطبوعة الخلق من صمصامه ذکر

ومقطٍّ من عاجٍ و آبنوسٍ موثق الترکیب معتدل التدلیس من نجر صناعٍ احکمُ خرطَه وجوّدَ قلطه واُحسنَ جودّه و نُحتَه۔

کانّما صاغــه مــــن جلد عقعقةٍ | اُوجلد اُبیض تبییضاً و تَسویـــــدَا
اعَارَهُ منه ذهناً حسیــــن اُلفتــه | ولم یَدع فیه اُحکاماً و تجویـــدا
کقطعـةِ اللّیل فی قسم البیاض علی | عــاجٍ جُبًا متنــه صقلاً و تحدیدا
وللنّهــار سَوَادٌ حالکٌ حُنِکٌ | یحکی آسود اداً ادا قیس العناقیـدا

فرأیکد أعزّکَ الله ۔ فی قبولها ممتوعاً بالسعادة والسّلامة فی استعمالها موقّفاً إن شاء الله۔

قابوس بن وشمگیر کی یہ نادر تحریر، ہمارے سامنے جو مطبوعہ مصادر ہیں یا غیر مطبوعہ ان میں کہیں دست یاب نہیں ہوئی ۔ ہدیے میں دوات قلم اور اس کے لوازم دینا اس عہد کا دستور تھا جس میں یہ تحریر لکھی گئی، اسی لیے اس موضوع پر نظم و نثر کے متعدد خوب صورت نمونے ملتے ہیں۔ ابوالقاسم الحسین بن علی المقری نے ابوسلیمان بن فہد کو نیروز (نوروز) کے دن پانچ قلم ہدیے میں بھیجے اور اس کے ساتھ جو خط بھیجا تھا اس کا متن ابن حمدون کے التذکرہ (جزو سابع ورق ۱۰۶ ب ۔ ۱۰۷ الف نسخۂ اوکسفورڈ (Por ۳۲۸) میں موجود ہے۔ اسی طرح ابن الحرون نے ایک شخص کو کچھ قلموں کے ساتھ جو تحریر بھیجی تھی وہ القلقشندی کی صبح الاعشیٰ ۴۴۳/۲ اور ابن عبدربّہ کی العقد الفرید ۳ / ۲۰۱ (طبع لجنۃ قاہرہ) میں محفوظ ہے۔ قلم پر الصابی

کا رسالہ صبح الاعشیٰ ۲ / ۴۴۲ میں اور اس کا کچھ حصّہ اسی کتاب (۹ / ۱۳۱) اور النویری کی نہایۃ الارب ، ۲۳/۷ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ قلم کے ہدیے پر الصاحب بن عبّاد کی نثر الثعالبی کی یتیمۃ الدھر ۹۳/۳ میں ملتی ہے۔ العقد الفرید ۲۸۵/۶ میں ابوتمّام کے وہ اشعار درج ہیں جو اس نے الحسن بن وہب کو قلم کا تحفہ دینے کےوقت اسے ارسال کیے تھے ۔ قلم کی تعریف میں ابوتمام کے دس شعر خزانۃ الادب ۴۰۲/۱ (طبع دوم) اور امالیِ سیّد مرتضیٰ ۱۰۲/۲ میں دیکھے جائیں۔ اس سلسلے کے دوسرے شعراء کے اشعار بھی موقع کی مناسبت سے ابن عبدربہ نے پیش کیے ہیں۔ قابوس ہی کا ایک اور نادر اور غیر مطبوعہ رسالہ " فی صفۃ قلم أہداہ الی بعض أخوانہ " کے عنوان سے ملتا ہے، یہ بھی آج تک شایع نہیں ہوا۔ الشیزری نے اُسے محفوظ کر لیا ہے۔

یاقوت نے لکھا ہے کہ قابوس نے قلم اور خط عضدالدولہ کو بھیجا تھا (معجم الادباء ۲۲۵/۱۶)۔

اب تو " دوات" صرف روشنائی دان کو کہتے ہیں لیکن قدما ، قلمدان کے معنی میں استعمال کرتے تھے جس میں قلم ، چاقو ، مِقَط عاج ، آبنوس وغیرہ کا (ایک ٹکڑا جس پر قلم رکھ کر قط لگایا جاتا تھا)۔ وغیرہ ساری چیزیں ہوتی تھیں۔ قابوس کی تحریر کے عنوان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے ۔ اس زمانے میں " اصحاب الدواۃ" اعیانِ دولت و ارکانِ سلطنت کے لیے مستعمل تھا اور علماء و فقہا و طلّاب کے لیے " اصحاب محابر"۔ ابن العماد کی شذرات الذھب ۳۱۸/۸ میں دو شعر درج ہیں جن میں دوات کے چودہ مشمولات : سیاہی ، روشنائی دان ... وغیرہ کا ذکر ہے۔ دیکھیے یادداشتہائے قزوینی ۸۶/۳۔

حدیث " تہادو تحابّوا " ابن قتیبہ کی عیون الاخبار ۳۴/۳ میں موجود ہے۔ پوری حدیث یہ ہے : تہادو اتحابّوا فانّ الہدیۃ تفتح الباب المصمت وتسلّ سخیمۃ القلب "۔ اختلاف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث متعدّد کتب احادیث و آداب عربی و فارسی میں ملتی ہے۔

(کلٌ یّعمل علی شاکلتہ) قرآن ۸۴:۱۵۔

اشعار عربی :

قابوس کے عربی اشعار کا بیشتر حصہ ظاہراً ضائع ہو گیا ، تلاش سے جو چند اشعار ملے یہاں لکھے جاتے ہیں:

(۱)

قل للذی بصروف الدھر عیّرنا … ہل عاندَ الدھرُ الّامَن لہ خطرُ

أما تری البحرَ تعلو فوقہَ جِیفٌ … وتستقرُّ باُقصی قعرہ الدُّررُ

فان تکن نَشبتْ أیدی الزمان بنا ... و مَسَّنا من عوادی بؤسه الضررُ

فضی السماء نجومٌ غیرُ ذی عددٍ ... ولیس یکسفُ الاّ الشمس و القمرُ

(تاریخ الیمینی ، فتح الوہبی (۳۹۱/۱) ، یتیمۃ الدہر (۲۹۰/۳) ، وفیات الأعیان (۸۰/۴) ، معجم الادباء (۲۲۴/۱۶)۔

شیخ احمد معین بن علی المَنینی (متوفّی ۱۱۷۳ھ) نے تاریخ الیمینی کے ایک اور شارح مجدالدین کرمانی کا قول نقل کیا ہے جس میں ان شعروں کے حسن وجودت کی بہت تعریف کی ہے۔ المنّینی نے اطلاع دی ہے کہ تاریخ الیمینی کے بعض نسخوں میں ان چار شعروں کے ساتھ ایک پانچواں شعر بھی ہے:

علیَّ دفع الأعادی من اماکنھا ... و ما علیَّ إذا لم یسعد القدَرُ

المنّینی نے یہ بھی لکھا ہے کہ کتاب " حلّ الشعر" میں یہ چاروں شعر ، ہارون الرشید کے عہد کے ایک شاعر ابوقابوس النصرانی کے ہیں ۔ افسوس ہے کہ یہ قیمتی کتاب دست بُردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکی۔ آخری دونوں شعر تاریخ جہانگشای جوینی ۱۲۸/۲ میں بھی ملتے ہیں ۔ شاعر کا نام درج نہیں۔ قزوینی نے حاشیے میں لکھا ہے کہ یہ شعر قابوس کے ہیں۔

(۲)

عربی کے مندرجہ ذیل دو شعر بھی قابوس کی طرف منسوب ہیں۔

خطراتُ ذکرکَ تستثیرُ مودتی ... فأحسُّ منها فی الفواد دَبیبًا

لاعُضوَلی إلاّ و فیہ صبَابۃٌ ... فکانَّ أعضائی خلقن قلوبا

(یتیمۃ الدہر ۲۹۰/۳ وفیات الاعیان ۸۰/۴ ، معجم الادباء ۲۲۱/۱۶)۔

(۳)

سیّد ظہیرالدین مرعشی (متوفّی ۸۹۲ھ) " فصل در ذکر احوال وشمگیر" میں لکھتے ہیں: عزّالدولہ و مویّد الدولہ نزد قابوس فرستادند کہ او [فخرالدولہ] رانزد ما بفرست کہ تاما یکسالہ مال رَستے بتوبدہیم والاّ جنگ را آمادہ باش کہ انیک می رسیم ۔ قابوس جواب درشت فرمود باز فرستاد و تمسک بہ شمشیر و زدبین کرد وگفت :

انی انا الاسد الہزبرُ لدی الوغا ... اجمی القناد و مخالبی اسیافی

والدہر عبیدی والسماحۃ خادمی ... الأرضُ داری و الوریٰ أضیافی

(تاریخ طبرستان و رویان و مازندران ص ۱۳۲) ۔ یہاں یہ واضح نہیں کہ یہ شعر قابوس کے ہیں یا اس نے کسی اور شاعر کے شعر موقع کی مناسبت سے پڑھے ہیں۔

(۴)

قابوس کی ایک نادر نثری تحریر جو اب تک پردہ خفا میں تھی پچھلے صفحات میں گزری ۔ اس میں نثر کے ساتھ سات اشعار ہیں ۔ ظاہراً یہ قابوس ہی کے نتائج فکر سے ہیں۔ اگر یہ قیاس صحیح ہے تو قابوس کے دریافت شدہ اشعار کی تعداد میں ۱۶ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۵)

قابوس نے عضدالدولہ کو سات قلم تحفے میں بھیجے تھے اور ان کے ساتھ جو خط بھیجا تھا اس میں تین شعر بھی لکھ کر بھیجے تھے۔

قد بعثنا إلیکَ سبعۃَ أقلا　　مٍ لها فی البهَا حظٌّ عَظیمُ

مُرہفَاتٌ کأنّها ألسُنُ الحیاتِ　　قد جَازَ حَدَّها التقویمُ

وتفاءَلتُ أن ستحوی الأقالیم　　بها کلٌّ واحدٍ إقلیمُ

(معجم الادباء ۱۶/۲۲۵)۔

(۶)

باللہ لاتنهضی یا دولۃَ السَّفل　　و قصّری فضلَ ماأرخیت من طول

أسرفتِ فاقتصدی جاوزتِ فانصرفی　　عن التهوّرِ ثم امشی علی مَهَل

مُخدّمونَ و لم تخدُم أو ائلهم　　مُخوّلون و کانوا أرذلَ الخوَلِ

(معجم الادباء ۱۶/۲۲۹)۔

(۷)

ذیل کا مقطوعہ قابوس کی پریشانی کے دور کا ہے جب وہ اپنے دارالحکومت سے دور خراسان میں مقیم تھا ۔ کبھی ایک شہر میں رہتا تھا کبھی دوسرے شہر میں ۔ آج نیشاپور میں ہے تو کل بخارا میں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس ابتلا میں بھی اس نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔

لئن زالَ أملاکی وفاتَ ذخائری　　و أصبحَ جمعی فی ضمان التفرّقِ

فقد بقیت لی ہمۃٌ ماوراءَ ہا　　منالٌ لراجٍ أو بلوغٌ لمرتقی

ولی نفسٌ حُرٍّ تأنفُ الضیمَ مرکباً　　وتکرہُ وِردَ المَنھل المتدفقِ
فإن تلفتْ نفسی فللّٰہ درّہا　　وإن بلغتْ ما ترتجیہ فأخلقِ
ومَن لم یردنی والمسالکُ جمّۃٌ　　فأیّ طریقٍ شاءَ فلیتطرّقِ

(معجم الادباء ۱۶/۲۲۸)۔

(۸)

صاحب بن عبّاد نے قابوس کی ہجو میں کہا تھا

قد قبسَ القابساتِ قابوسُ　　ونجمہُ فی السماء منحوسُ
وکیف یرجی الفلاحُ من رجلٍ　　یکون فی آخر اسمہ بُوسُ؟

یہ قطعہ تو بعض مصادر میں ملتا ہے لیکن اس کے جواب میں جو دو شعر قابوس نے لکھے تھے اسے غالباً الصاحب بن عبّاد کی جلالتِ شان کی وجہ سے مؤرّخین نقل کرتے ہوئے کتراتے ہیں:

مَن رامَ أن یھجو ابا قاسمٍ　　فقد ہجا کلَّ بنی آدمِ
لأنّہ صُوّرَ من مضغۃٍ　　تجمّعت من نطف العالمِ

(معجم الادباء ۱۶ / ۲۳۱)

علمِ نجوم: قابوس کو علمِ نجوم سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ اسے نجوم ہی سے اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ اس کی موت اس کے بیٹے کے ہاتھ ہو گی۔ لیکن وہ اس بات کا قیاس نہیں لگا سکا کہ اس کے دو بیٹوں میں سے کس کے ہاتھ اس کی موت واقع ہو گی۔ اس کا ایک بیٹا تھا دارا اور دوسرا منوچہر۔ دارا سرکش اور نافرمان تھا، اسے اس نے احتیاطاً اپنے سے دُور دُور رکھا اور منوچہر کو اپنے سے قریب رکھا کہ وہ مطیع اور فرماں بردار تھا۔ قضا و قدر کا فیصلہ دیکھیے کہ اس کی موت اسی منوچہر کے ہاتھ ہوئی جسے وہ محبوب رکھتا تھا۔

اشعارِ فارسی: ذیل میں قابوس کے فارسی شعر جو مل سکے ہیں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ عوفی رقم طراز ہے: ”او را شعر پارسیست، بغایت لطیف و کمالِ قدراو ازین یک قطعہ کہ گفتہ است واضح ولائح می شود:

(۱)

کار جہان سراسر آزست یا نیاز　　من پیش دل نیارم آز و نیاز را

من بیست چیز را ز جہان برگزیدہ ام　　تاہم بدان گذارم عمر دراز را
شعر و سرود و رود و مۓ خوشگوار را　　شطرنج و نرد وصید گہ و یوز و باز را
میدان و گوے و بارگہ و رزم و بزم را　　اسپ و سلاح و خودودعا و نماز را

عوفی اس قطعے کو نقل کرکے لکھتا ہے: ازراہ انصاف اگر کسے درین قطعہ بنگرد بر کمال علوِ ادب و وفور فضل و حسن اعتقاد و یمن ہمّت این امیر بزرگوار وقوفے باید" (لباب الالباب ص ۳۱)۔

(۲)

پھر اس نے قابوس کے دو شعر اور ایک رباعی نقل کی ہے:

شش چیز دران زلف تودارد معدن　　پیچ و گرہ و بند و خم و تاب و شکن
شش چیز دگرنگر وطنشاں دل من　　عشق و غم و درد و کرم و تیمارو حزن

(۳)

گل شاہ نشاط آمد ے میر طرب　　زان روے بدین دوی کنم عیش طلب
خواہی کہ درین بدانی اے ماہ سبب　　گل رنگ رخت دارد وے طعم دولب

(لباب ص ۳۱)

غالباً قابوس کے فارسی میں یہی چھے شعر محفوظ رہے ورنہ لباب الالباب کے مصحّحِ اوّل مرزا محمد قزوینی اور سعید نفیسی جنھوں نے اسے دوبارہ مرتب کرکے اپنی تصحیحات و تعلیقات کے ساتھ شایع کیا ہے، قابوس کے مزید فارسی اشعار کی نشان دہی ضرور کرتے۔

خوش نویسی:

قابوس بہت خوش خط تھا۔ ابن خلکان نے لکھا ہے "خطّہ فی نہایۃ الحسن"۔ الصاحب بن عبّاد جب اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی تحریر دیکھتا تو کہہ اٹھتا تھا "ہذا خطّ قابوس أم جناح طاؤس" یہ قابوس کی تحریر ہے یا مور کے پر ہیں (وفیات الاعیان ۸۰/۴) عتبی بھی قابوس کی خوش خطی کی مدح میں رطب اللسان ہے: "وأمّا خطّہ مخطّۃ فَخِطّۃ المحاسن۔ فسمّہ ان شئت وشیاً محوکاً او تبراً مسبوکاً او درّاً مفصلاً او سحراً محصلاً" (فتح الوہبی ۲۶/۲)۔ جربادقانی کے الفاظ یہ ہیں: "وخطِ او خِطۂ محاسن بود، چون دُرِّ مفصّل و سحرِ محصّل و وشی محوک و تبر مسبوک، سحرۂ بابل سخرۂ اناملِ او بودند نقاشان چین بردست و قلم او آفرین می کردند۔ ہر نقطۂ کہ از نوکِ خامۂ او بر

دیباچۂ نامہ می چکید خالی بود بر روی فضل، وہر گوہر کہ ذوالقرنین قلم او از ظلمات دوات بیرون می کشید دُرّے بود در واسطۂ قلادۂ روزگار " (ترجمۂ تاریخِ یمینی ص ۲۴۸) ۔ افسوس ہے کہ قابوس کی خوش خطی کا ایک ورق بھی اب محفوظ نہیں۔

قابوس پر گفتگو کے سلسلے میں بنو زیّار کے ان دو افراد کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جن کی تاریخ و ادب میں اہمیت ہے ۔ یہ اصفہبد جیل جیلان (۶) ابوالعبّاس مرزبان بن رستم بن شروین (متوفّی ۳۸۰ھ تقریباً) اور امیر عنصر المعالی کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس بن وشمگیر متوفّی ۴۹۲)۔

کیکاؤس ، اپنے خاندان کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے اپنے بیٹے اسکندر کو لکھتا ہے: " ۔۔ اصل شریفست و از ہر دو جانب کریم الطرفین و پیوستہ اجداد تو ملوک جہان بودہ اند ، وجدّ اعلیٰ تو ملک شمس المعالی قابوس وشمگیر ... وجدّۂ تو مادرِ من دختر ملک زادۂ مرزبان بن رستم شروین بودکہ مُصنّف مرزبان نامہ است " (قابوس نامہ ص ۲)۔

مرزبان بن رستم ، طبرستان کے باوند نامی خاندان شاہی کا ایک شہزادہ تھا ۔ ابنِ اسفند یار کاتب مرزبان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ مرزبان نامہ کا مصنّف ہے ، اور یہ تصنیف ہر لحاظ سے کلیلہ و دمنہ سے بہتر ہے۔ رضا قلی خاں ہدایت ، فرہنگِ ناصری میں مرزبان نامہ کا ذکر کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ اسے مرزبان بن رستم نے لکھا تھا اور اسے امیر قابوس شمس المعالی کے نام سے منسوب کیا ہے۔ مجمع الفصحاء میں بھی اس مُصنّف نے ضمناً اس کتاب کا ذکر کیا ہے ۔ یہ کتاب فارسی نثر کی ایک کامیاب تصنیف ہے جس میں اخلاقی اور نصیحت آموز حکایتیں ہیں ۔ مرزبان نامہ کا عربی ، فارسی اور ترکی میں ترجمہ ہوا ہے۔ سعدالدین الورا وینی کا فارسی ترجمہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے مرتب کرکے گِب میموریل لندن کی طرف سے ۱۹۰۸ء میں شایع کر دیا ہے۔ مرزبان کا طبری لہجے میں ایک دیوان " نیکی نامہ " بھی مرتب تھا۔ (دائرۂ معارفِ اسلامیہ ۴۴۰/۲۰)۔ مرزبان کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی ہوسکتا ہے کہ البیرونی (متوفّی ۴۴۰ھ) نے اپنی تالیف " مقالید علم الہیئۃ " اسی مرزبان کے نام معنون کیا ہے اور غالباً یہ البیرونی کی پہلی تصنیف ہے جو کسی فرماں روا کے لیے اس کے قلم سے نکلی ہے۔ اس نے مقدّمۂ کتاب میں جس انداز میں مرزبان کا ذکر کیا ہے اس سے اس کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس تعلق خاطر کا پتا چلتا ہے جو البیرونی کو مرزبان سے تھا ۔ مرزبان کی شخصیت تاریخی اور ادبی طور پر نسبتۃً غیر معروف رہی ہے، اس کے اور اس کی کتاب کے بارے میں